إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝١ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝٢

"جب قیامت قائم ہو جائے گی۔ جس کے وقوع پذیر ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔" (سورۃ الواقعۃ)

۴۴-۴۵ محرم-صفر ۱۴۳۷ھ - اکتوبر-نومبر ۲۰۱۵ء

اشاعت خصوصی برائے

امیر المومنین و خلیفۃ المسلمین

سیدنا عمر فاروق اعظم

رضی اللہ عنہ

لو کان بعدی نبیا لکان عمر

إِذَا وَقَعَتِ ٱلۡوَاقِعَةُ ﴿١﴾ لَيۡسَ لِوَقۡعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿٢﴾

" جب قیامت قائم ہو جائے گی،
جس کے وقوع پذیر ہونے میں کچھ شبہ نہیں۔"

سلسلہ نمبر : 44-45
محرم و صفر 1437ھ / اکتوبر، نومبر و دسمبر 2015ء

اشاعت خاص

امیر المومنین، خلیفۃ المسلمین
سیّدنا فاروقِ اعظم
رضی اللہ عنہ

قیمت فی شمارہ
60/=
سالانہ زر تعاون
400/=
(بمع ڈاک خرچ)
(خصوصی شماروں کی قیمت اس میں شامل نہیں)

رابطہ برائے تار و مراسلہ
مکتبہ دار الاحسن
مبارک پرائڈ، متصل مسجد عائشہ، یٰسین آباد،
بلاک 9، فیڈرل بی ایریا، کراچی
برائے رابطہ: 0333-3738795, 0300-2277551
Email: mujalla.alwaqia@gmail.com
ویب ایڈریس
alwaqiamagzine.wordpress.com
al-waqia.blogspot.com

فہرست مضامین

مضامین خصوصی : سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

عن علی رضی اللّٰہ عنہ قال: کنت عند النبی صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم فأقبل أبوبکر و عمر رضی اللّٰہ عنہما، فقال: "یا علی ھذان سیدا کھول أھل الجنة و شبابھا بعد النبیین و المرسلین -" (رواہ الترمذی، ابن ماجة، مسند أحمد)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس تشریف فرما تھا کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نظر آئے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: " اے علی ! یہ دونوں انبیاء و مرسلین کے بعد اہلِ جنت کے بوڑھوں اور جوانوں کے سردار ہیں۔"

درسِ آگہی

محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور موجودہ مسلمان

کچھ لوگ تاریخی عظمت و وقار اور قوم کی عزت و ارجمندی کا بند ہوتے ہیں۔ تاریخ کی ایسی مضبوط شخصیتیں جو تاریخ کا رخ موڑ دیتی ہیں، اور جو اس لیے پیدا نہیں ہوتے کہ کہ وقت اور حالات ان کی زندگی کا تعین کریں بلکہ اس لیے کہ وہ خود وقت اور حالات کو ایک نئی جہت دیں۔ یہ تاریخ کی ایسی مضبوط شخصیتیں ہوتی ہیں جو معاشرے کے طویل عرصے کے قدرتی زوال کے ظہور و نتائج کے سامنے ایک بند کی طرح ہیں جب تک موجود رہتی ہیں ادبار و پستی کو پنپنے کا موقع نہیں دیتیں اور جب جاتی ہیں تو گویا وہ مضبوط بند ٹوٹ جاتا ہے اور معاشرتی زوال کے آثار سمندر کی شوریدہ لہروں کی طرح اٹھتی ہیں اور قوموں کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جاتی ہیں۔

تاریخ کی ایک ایسی ہی مضبوط شخصیت اور زوالِ معاشرہ کے سیلاب کے آگے ایک مضبوط بند --- فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ہیں۔

دنیا میں بڑے بڑے شاہانِ مملکت گزرے ہیں۔ بڑے بڑے فاتح گزرے ہیں۔ تاریخ میں مضبوط شخصیتیں بھی گزری ہیں، جنھوں نے تاریخ کا رُخ موڑ دیا، قوموں کو نئی زندگی دے دی۔ سکندر اعظم، قسطنطین اعظم، اشوک اعظم، چنگیز خاں، تیمور لنگ، بابر، اکبر اعظم .... تاریخ ان کی عظمت کے گیت گاتی اور ان کی رفعت و منزلت پر قصیدے لکھتی ہے۔ مگر تاریخ کے ان تمام "اعظموں" میں کیا کوئی ہے جو ہمارے فاروق اعظم کی بھی برابری کر سکے؟ کیا محض زمین روند کر لوگوں کو مغلوب کر لینا ہی فاتح کی شان ہے؟ یا ان کے قلوب کی تسخیر بھی لازم ہے۔ اور اگر یہ لازم ہے تو کونسا فاتح ہے جو فاروق اعظم کی طرح دلوں کا فاتح ہو؟

کیا سکندر اعظم کی زندگی میں ایسا کوئی واقعہ ملتا ہے کہ اس نے اپنی عوام کے لیے بھی کچھ کیا ہو؟ کیا ہزاروں انسانوں کو موت کی گھاٹ اتار کر اور لاکھوں زندگیوں کو برباد کرنے کے بعد تائب ہونے والے اشوکا نے دنیا کو کوئی ایسی مثال دی جس سے عوام کی فلاح و بہبودی کا کوئی سبق حاصل کیا جا سکے؟

ایران کو نوشیروان کی عدل گستری پر بڑا ناز ہے، لیکن جس کے عدل و انصاف کی عظمت کے قصیدے پڑھے جاتے ہیں کیا وہ بھی فاروقِ اعظم کی عدل گستری کو پہنچ سکتا ہے؟ جس نے اپنے سگے بیٹے کو بھی رائج سزا سے بڑھ کر سزا دی تاآنکہ موت سے ہمکنار ہوا۔ کیا دنیا کا ایسا کوئی بادشاہ ہے جس نے عدل و انصاف کے میزان میں اپنے قریبی رشتوں کا بھی لحاظ نہ رکھا ہو۔ کیا نوشیروان بھی کبھی راتوں کو اٹھ کر لوگوں کو غلہ پہنچاتا تھا یا اس نے بھی کبھی وہی غذا کھائی جو اس کی عوام کھاتی تھی۔

تاریخ کے یہ تمام " اعظم " عوام کی فلاح و بہبود، قلوب کی تسخیر اور قوم کی دل سوزی میں مفلس ہی رہے۔ دنیا کو دینے کے لیے ان کے پاس کچھ " خاص " نہیں۔ مگر مغرب میں آج

بھی قانونِ عمر چلتا ہے۔ ذمی رعایا کو جو حقوق فاروق اعظم نے دیئے، دنیا آج بھی اس سے زائد دینے سے قاصر ہے۔

دنیا میں عظمت و کردار اور رفعت و منزلت کی یہ ساری مثالیں کبھی پردہ حقیقت پر مرتسم نہ ہو پاتیں اگر کاشانہ نبوت کے تربیت یافتگان کا ظہور تاریخ میں نہ ہوتا۔ دنیا میں روشن مثالوں کی تاریخ جب بھی لکھی جائے گی محمد ﷺ کا نام سب سے اوپر ہوگا اور ان کے تربیت یافتگان ان روشن مثالوں کی عمل نظیر کے طور پر پیش ہوں گے۔

کیا صرف مملکت کا حکمران بن جانا ہی حکمرانی کی علامت ہے ؟ یا ارضِ مملکت میں نظم مملکت اور عوام کی فلاح و بہبود بھی ضروری ہے ؟ تو کونسا حکمران ہے جس کا دل کاشانہ نبوت کے پروردہ عمر کے دل کی طرح اپنی امت کی دل سوزی میں ہمہ وقت مچلتا ہو ؟

اگر کردار و عظمت، عزم و حوصلہ، عدل و مساوات بھی تاریخ کی مضبوط شخصیتوں کے لیے لازم قرار پائیں تو تاریخ کے یہ تمام "اعظم" فاروقِ اعظم کی گردِ پا کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔

وہ راتوں کو جاگتے تھے تاکہ لوگ سکون کی نیند سوئیں۔ وہ اپنی پیٹھ پر لوگوں کے لیے غلہ لاد کر لے جاتے تھے تاکہ بھوکوں کا پیٹ بھر سکیں۔ وہ پیوند لگے کپڑے پہنتے تھے تاکہ لوگوں کے ضرورت لباس کی تکمیل ہو سکے۔

مسجد کے صحن میں بلا کسی ٹیک لگائے، ہاتھوں میں مسواک پکڑے، پیوند لگے کپڑے پہننے والے اس عظیم انسان کی ہیبت و عظمت کا یہ عالم تھا کہ قیصر و کسریٰ کے دربار اس کا نام سن کر لرزتے تھے اور ان ممالک کے سفراء اس بوریہ نشیں خلیفہ کے دربار میں کانپتے تھے۔

اس کے ہزاروں کے لشکر کے سامنے دشمن کی لاکھوں کی فوج بے بس ہو جاتی تھی۔

کپڑوں پر پیوند لگے ہیں، تلواریں بھی ٹوٹی ہیں
پھر بھی دشمن کانپ رہا ہے، آخر لشکر کس کا

آج مسلمانوں کو یہ شاید اپنی یہ تاریخ بیگانہ لگے کیونکہ اپنے کردار و عمل کی نحوست کے ساتھ ہم ادبارِ زوال کی جس سطح پر پہنچ چکے ہیں وہاں فاروقِ اعظم جیسے کردار محض گوشہ خیال ہی میں آتے ہیں کیونکہ

عمل سے فارغ ہوا مسلماں بنا کہ تقدیر کا بہانہ

ہم جسے اپنی تقدیر سمجھ بیٹھے ہیں، وہ ہماری تقدیر نہیں، ہمارے کردار و عمل کے نتائج و عواقب کی حقیقی تصویر ہے۔ اگر ہمیں اپنے اسلاف سے کوئی نسبت ہوتی تو کیا آج ہمارا یہ حال ہوتا ؟

مسلمان دنیا میں اس لیے نہیں آیا کہ اپنی مظلومیت کا رونا روئے یا دنیا کے سامنے حسرت و یاس کی تصویر بنا پھرے۔ یہ ٹھیک ہے کہ آج

چمن کی صورت بگڑ گئی ہے، امید افزا فضا نہیں ہے
گُلوں میں بھی پھوٹ پڑ گئی ہے، کلی میں بھی حوصلہ نہیں ہے

لیکن ہمیں نہیں بھولنا چاہیے کہ ایمان کی تخلیق ہی شک و ارتیاب کے ہر کانٹے کو دور کر کے کردار و عمل کے تیقن سے ہوتی ہے۔

جب مسلمان غیروں سے رحم کی بھیک مانگنا ترک کر دیں گے اور کاشانہ نبوت کے پروردہ عظمت و رفعت کے ان روشن میناروں کو اپنے لیے مثال بنالیں گے تو ان کے ادبار و نکبت کی سیاہی کے داغ بھی دھل جائیں گے۔ جب مسلمان پردہ سیمیں پر جلوہ گر اداکاروں کو اور کھیل کے میدان میں کھیلتے کھلاڑیوں کو نہیں بلکہ تاریخ کے صفحات پر ابھرتے اور زندگی کے میدان میں باطل قوتوں سے لڑتے ان عظیم انسانوں کو اپنا راہنما بنائیں گے تو ان کی تاریخ بھی بدلے گی اور ان کی زندگی بھی۔

حکمت قرآن

قسط : (30)

المغراف فی تفسیر سورہ ق

مولانا شاہ عین الحق پھلواروی
تسہیل و حواشی
محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

سوال : (2)

تسبیح و تحمید کو قبل طلوعِ آفتاب اور قبلِ غروب اور بعض حصہ شب کے ساتھ مقید [مخصوص] کرنے کی کیا خصوصیت تھی ؟

جواب

ان وقتوں میں دو خصوصیتیں ہیں جو اور وقتوں میں نصیب نہیں ایک ظاہری ، دوسرے باطنی۔ ظاہراً صبح کے وقت چند نعمتیں بہم [اکٹھے] پہنچتی ہیں تاریکی کی وحشت ، رات کی ظلمت اور خواب کی غفلت دور ہوتی ہے اور نور و سرور ، چاقی و بیداری عام طور پر پھیلتی ہے جو تمام خیر و فلاح و رزق کا محل [باعث] ہے۔ نہار [دن] اور صبح اسی خیر و برکت والی چیز کا مقدمہ [آغاز] ہے۔ اور وہ بھی کیسا نشاط انگیز [فرحت بخش] ، نہ دل و دماغ کو پریشان کرنے والی دھوپ کا وقت ہے ، نہ جالب نوم [نیند کا حصول / آمد] و فترت خنکی شب [رات ٹھنڈی پھوار] کا وقت ، نہ شب کی محض بیکاری اور اندھیرے کا وقت ہے ، نہ دن کی طرح کاروبار کے تردداتِ [پریشانی] کا۔ درمیان کا نہایت سہانا ، فرحت بخش زمانہ۔ گویا مومن کو بہشت کا سما یاد دلاتا ہے۔ ایسے عظیم الشان انقلاب اور عبرت انگیز منظر کا خاص دل پر اثر ہوتا ہے اور بے ساختہ دل و زبان سے خداوندِ جل شانہ کی پاکی اور عظمت و قدرت کا اقرار نکل پڑتا ہے۔ صبح کا وقت عام رحمت ، لطف انعام ، ترقی احوال ، ظلمت کے اندفاع [دور کرنے] اور نور کے انتشار [پھیلاؤ] کا وقت ہے جو مالک کی غایت [انتہائی] خوشنودی پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا اس وقت ادب کے ساتھ اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا اور سچے دلی جوش کے ساتھ اس کی قدرت و کبریائی و تقدس کا زبان و دل سے اقرار و اظہار کرنا اس کی نعمتوں کو یاد کر کے مالک کی مدح و ثناء و شکر بجا لانا اور عجز و نیاز کا سر اس کے آگے خاک پر رکھ دینا اور اپنی حالت زار ، ادبار [ذلت] و پستی ، تنزل و عاجزی و درماندگی کا رو رو کر سنانا مالک کی خاص توجہ و عنایت و ترحم [رحمدلی] و تحویلِ [تبدیلی] حالت و اقبال و حصولِ مسرت و ترقی کا موجب [باعث] ہے۔ یہ نظارہ صبح کا ہی ظاہر اور بادی النظر [ابتدائی / سرسری نظر] میں تو اس قدر دل کش ہے جس کا بیان ہوا اور درپردہ مقربان بارگاہ و خواص کردگار [خالق] اس وقت اور بھی عنایات رحمانی اور شہودِ ملاء اعلیٰ [فرشتوں کے حاضر ہونے] کا نشان پاتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہوا: إِنَّ قُرْءَانَ ٱلْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴿٧٨﴾ (بنی اسرائیل : 86)

علیٰ ہٰذا القیاس شام کا وقت بھی ظاہراً نہایت ہی عبرتناک وقت ہے اتنے بڑے کارخانہ روزگار کا زوال ہو رہا ہے۔ عام نور رخصت ہوتا جاتا ہے اور تاریکی و وحشت و عشرت کے انتشار [پھیلاؤ] و نوم [نیند] و غفلت کی پیدائش کے مقدمات [آثار] ظاہر ہو رہے ہیں آہستہ آہستہ روشنی ڈھل رہی ہے اور تاریکی پھیلتی جاتی ہے۔ غافل انسان اسی طرح دنیا کی تحصیل میں سر گرم ہے مگر مومن کی نظر میں دنیا کا زوال قبر اور پُل صراط و جہنم کا اندھیرا ، سکرات جو موت کا مقدمہ ہے گھومنے لگتا ہے اور فوراً مالک کے حضور میں پناہ جوئی کی غرض سے بھاگتا ہے۔

صبح کے نور کا انتشار اور دن کا چڑھاؤ دیر کے بے خبر سونے والوں کا یک بارگی جاگ جانا اور ہوش سنبھال کر اپنے مفید کاموں میں مشغول ہو جانا دیکھ کر مالک سے مومن بندہ اسلام کے عروج اور نورِ ایمان کے انتشار اور قرآن کے اثر سے مدت کے بے خبروں کے ہوش میں آ جانے اور اپنے مفید اور کارآمد کام عملِ نیک میں مشغول ہو جانے کے لیے دعا کرنے کو اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ خداوند اسی طرح کفار کو دنیا سے نیست [ختم] کرنا اور ان کی قوت اور شوکت و دبدبہ کو مضمحل [کمزور] کرنا اور ان کی تدبیروں اور کیدوں [سازشوں] میں ان کی اندھیری عقل کو رہنمائی نہ دینا۔

یہ اثر اترتے ہوئے دن اور چڑھتی ہوئی شام سے تو ہر شخص کے دل پر بادی النظر [ابتدائی / سرسری نظر] میں ہوتا ہے اور الطاف و مراحم ایزدی [رحمتِ الٰہی] جو اس وقت کے پردے میں نہاں [پوشیدہ] ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ دل کو یادِ الٰہی کی طرف راغب کرنے والے ہیں۔

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال : قال النبی – صلی الله علیه وسلم – : " الْمَلائِكَةُ يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ ، مَلائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَ مَلائِكَةٌ بِالنَّهَارِ ، وَ يَجْتَمِعُونَ فِي صَلاةِ الْفَجْرِ وَ صَلاةِ الْعَصْرِ ، ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ وَ هُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ : كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي ؟ قَالُوا : تَرَكْنَاهُمْ وَ هُمْ يُصَلُّونَ ، وَ أَتَيْنَاهُمْ وَ هُمْ يُصَلُّونَ ۔" [1]

" ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا : فرشتوں کی تبدیلی ہوا کرتی ہے جو فرشتے دن کو کام کرتے ہیں وہ شب کو چلے جاتے ہیں اور صبح سے طلوعِ آفتاب تک دونوں قسم کے فرشتے یعنی جانے والے اور آنے والے جمع ہوتے ہیں ۔ اسی طرح عصر کے وقت غروب تک ، تو جب شب والے فرشتے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ ہمارے بندوں کو کس حال میں چھوڑا وہ عرض کرتے ہیں کہ جب گئے تھے تب بھی نماز پڑھتے دیکھا تھا (یعنی عصر) اور آتے ہیں تو نماز پڑھتا چھوڑ کر آ رہے ہیں (یعنی صبح کی نماز) اس طرح صبح والے سے بھی سوال و جواب ہوتا ہے ۔"

عن ابی موسیٰ أَنّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " : مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ ۔" [2]

" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جو دونوں ٹھنڈی نمازیں پڑھے گا جنت میں جائے گا ۔"

عن ابی زهيرة عمارة بن رويبة قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، يَقُولُ " : لَنْ يَلِجَ النَّارَ أَحَدٌ صَلَّى ، قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ ، وَ قَبْلَ غُرُوبِهَا ، يَعْنِي الْفَجْرَ ، وَ الْعَصْرَ ۔" [3]

عمارہ بن رویبہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ " وہ شخص ہرگز جہنم میں نہ جائے گا جو قبلِ طلوع اور قبلِ غروب کے نمازیں پڑھتا ہے یعنی صبح اور عصر کی ۔"

و عن أبي أمامة رضي الله عنه أن رسول الله – صلى الله عليه وسلم – قال : " لأن أقعد أذكر الله تعالى و أكبره و أحمده و أسبحه و أهلله حتى تطلع الشمس أحب إلي من أن أعتق رقبتين من ولد إسماعيل و من بعد العصر حتى تغرب الشمس أحب إلي من أن أعتق أربع من ولد إسماعيل۔"[4]

ابو امامہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ " مجھے صبح کے بعد طلوعِ آفتاب تک بیٹھے بیٹھے اللہ کا ذکر اللہ اکبر ، الحمد للہ ، سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ کہتے رہنا اس سے زیادہ بھلا معلوم ہوتا ہے کہ چار آدمی اولادِ اسماعیل سے آزاد کروں اسی طرح عصر کے بعد بھی آفتاب کے غروب تک ۔" (احمد)

عَنْ جَرِيرِ بن عبد الله قَالَ : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : انکم سترون ربکم عيانا و فی رواية قال : كُنَّا جلوسا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ – صلی الله علیه وسلم – فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ ، فَقَالَ " : إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عَيَانًا كَمَا تَرَوْنَ هَذَا القمر ، لا تُضَامُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ ، فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لا تُغْلَبُوا عَلَى صَلاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوبِها فَافْعَلُوا ۔" [5]

جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ " تم لوگ اپنے پروردگار کو انہیں آنکھوں سے دیکھو گے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ہم حضور اقدس ﷺ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ تم اب اپنے پروردگار کو دیکھو گے جس طرح چاند کو دیکھ رہے ہو اور اس کے دیکھنے میں کچھ شبہ نہیں کرتے پس اگر ہو سکے تو آفتاب ڈوبنے اور آفتاب نکلنے کی پہلی نماز سے عاجز نہ ہو تو ایسا ضرور کرو ۔"

شب کی وقت کی تسبیح و تہلیل و نماز کا حکم بھی دو سبب سے ہے ظاہری اور باطنی ۔ ظاہر یہ کہ شب کا وقت کاروبارِ دنیا سے اطمینان کا وقت ہے اسی لیے دوستوں سے شب ہی کو ملا کرتے ہیں ۔ مومن جو اللہ کی محبت میں دل باختہ [فریفتہ] ہے اور فرصت پاتے ہی فوراً تنہائی اور راز کا وقت پا کر اس کے لقا [ملاقات] اور ہمکلامی و مسامرت کے لیے اس کے خلوت خانہ میں حاضر ہو جاتا ہے ۔ بیشتر بیماری کا درد و سوز [جلن] قلق [تکلیف] شب کو زیادہ ہو جاتا ہے ۔ پس عاشقانِ جمالِ پاکِ خداوندی کے عشق کا درد و سوز شب کو بڑھ جاتا ہے اور فراق [جدائی] و غیبت [غیر حاضری] و احتجاب [پردے میں چھپنا] کا قلق [افسوس] ان کے جگر میں چٹکی لیتا ہے اس لیے بے چین ہو کر اس کی یاد میں مشغول ہو جاتے ہیں اور نیند میں ان کو مزہ نہیں آتا ۔ جیسا کہ فرمایا :

تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ ٱلْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا (السجدۃ:16)

" ان کی پشت بچھونوں [بستروں] سے الگ ہو جاتی ہے وہ اپنے پروردگار کو خوفِ حجاب اور طمعِ وصال [ملاقات کی لالچ / شوقِ ملاقات] سے پکارا کرتے ہیں ۔"

اور فرمایا :

كَانُواْ قَلِيلًا مِّنَ ٱلَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴿١٧﴾ وَبِٱلْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿١٨﴾ (الذاریات: 17-18)

" رات کو بہت ہم کم سوتے ہیں اور اخیر حصہ شب کو معافی مانگتے ہیں ۔"

---

[1] صحیح بخاری ، صحیح مسلم ، سنن نسائی ، موطاء امام مالک ، مسند احمد

[2] صحیح بخاری ، صحیح مسلم ، سنن الدارمی ، مسند احمد

[3] صحیح مسلم ، سنن ابی داود ، سنن النسائی ، مسند احمد

[4] مسند احمد ، حسنہ الالبانی

[5] صحیح بخاری ، صحیح مسلم ، سنن ابی داود ، سنن الترمذی ، سنن ابن ماجہ ، مسند احمد

نواب صدیق حسن خاں

صفت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

" بلوغ العُلیٰ بمعرفةِ الحُلیٰ " سے سراپائے فاروقی کی ایک جھلک

یہ سخت سفید رنگ تھے کچھ سرخی ان پر ظاہر ہوتی تھی۔ (طبقات واقدی)

عیاض بن خلیفہ کہتے ہیں میں نے عمر کو عام الرمادہ[1] میں دیکھا وہ کالے ہو گئے تھے حالانکہ پہلے سفید تھے۔ (طبقات واقدی)

ان کا رنگ بدل گیا تھا تیل کھانے سے۔ (طبقات واقدی)

سخت اصلع ہو گئے تھے یعنی موئے پیش سر [سر کے درمیان کے بال] جاتے رہے تھے۔ (طبقات واقدی)

دونوں آنکھیں سخت سرخ تھیں رخسار ہلکے پھلکے تھے۔ (ریاض النضرۃ)

ریش [داڑھی] شریف انبوہ [گھنی] و مدور [دائرہ نما، گول] تھے۔ (ریاض النضرۃ)

مونچھوں میں بال بہت تھے اور اطراف سبلت [کناروں] میں سرخی تھی۔ (ریاض النضرۃ)

جب غضب میں آتے اپنی بروت [داڑھی] کو دہن [منہ] میں لیتے اور پھنکارتے [گہری سانس لیتے]۔ (طبقات واقدی)

اور تاؤ دیتے۔ (طبقات واقدی)

داڑھی کو زرد رکھتے اور سر کے بالوں میں حنا [مہندی] لگاتے۔ (طبقات واقدی)

اور دونوں ہاتھ سے کام کرتے۔ (نہایہ ابن اثیر)

ان کی ران پر ایک سیاہ تل تھا۔ (طبقات واقدی)

دونوں پاؤں کے بیچ میں کشادگی تھی۔ (طبقات واقدی)

برہنہ پا [ننگے پیر] چلتے لوگوں میں اونچے نظر آتے گویا کہ کسی جانور پر سوار ہیں۔ (طبقات واقدی)

فربہ تن [لحیم شحیم] جسم البدن تھے گویا کہ رجال بنی سدوس سے ہیں۔ (طبقات واقدی)

لوگوں پر طول [لمبائی] میں فائق [بڑھ کر] تھے۔ (طبقات واقدی)

ایں چہ بالا ست بیا سایہ بگلشن افگن
سرو را در بغل رخنہ دیوار طلب

افضلیت شیخین

" حضرات شیخین (سیدنا ابو بکر و سیدنا عمر رضی اللہ عنہما) کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہے جیسا کہ اکابر ائمہ کی ایک جماعت نے اس کو نقل کیا ہے جن میں ایک امام شافعی بھی ہیں ، اور امام ابو الحسن اشعری نے فرمایا ہے کہ حضرت صدیق و فاروق کی افضلیت باقی تمام امت پر قطعی (غیر مشتبہ اور یقینی) ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے تواتر کے طور پر ثابت ہے کہ آپ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ، خاص اپنے دار الخلافت میں اور اپنے متبعین کی کثیر جماعت کے سامنے اعلان فرمایا کہ ابو بکر و عمر بزرگ ترین امت ہیں۔ "

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] رمادہ کا لغوی مطلب راکھ ہے ، یعنی وہ مادہ جو جل کر خاکستر ہونے کے بعد باقی رہ جاتا ہے۔ خلافتِ فاروقی میں آنے والی خشک سالی کو بھی رمادۃ کہا جاتا ہے۔ اس خشک سالی میں پورے جزیرۃ العرب میں نو ماہ تک بارش کا ایک قطرہ نہیں برسا۔ آتش فشاں پہاڑ پھٹنے لگے جس سے زمین کی فصلیں اور اس کی روئید گی تباہ ہو گئی۔ جب ہوا چلتی تو پوری فضا گرد آلود ہو جاتی۔ گویا راکھ فضا میں بکھر جاتی اس لیے اس سال کا نام ہی لوگوں میں عام الرمادۃ پڑ گیا۔
مورخین میں عام الرمادۃ کے تعین میں تھوڑا سا اختلاف ہے کہ عام الرمادۃ کونسا سال تھا۔ ایک منفرد قول بلاذری کا ہے جس کے مطابق 21ھ عام الرمادۃ تھا تاہم مورخین اسے درست تسلیم نہیں کرتے۔ ذہبی ، سیوطی ، ابن العماد حنبلی اور محمد بن حبیب بغدادی کے مطابق 17ھ عام الرمادۃ تھا۔ لیکن جمہور مورخین کی رائے مطابق 18ھ عام الرمادۃ تھا۔ ان مورخین میں ابن سعد ، ابن خیاط ، طبری ، ابن الجوزی ، ابن اثیر ، ابن خلدون ، ابن الوردیٰ ، شبلی نعمانی وغیرہم شامل ہیں۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: معالم الریادۃ فی آلم الرمادۃ - یعنی - حضرت عمر کا قائدانہ کردار - از - قاری روح اللہ مدنی) -- ادارہ

مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

ظلم و طغیان کے سیاہ بادلوں کی اسی گھمبیر فضا میں ایک اور برقِ تاباں کا جلوہ نمودار ہوا جس کی چمک پہلے سے زیادہ خیرہ کن تھی، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ 6 نبوی کا ہے۔[1] وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے صرف تین دن بعد مسلمان ہوئے تھے اور نبی ﷺ نے ان کے اسلام لانے کے لیے دعا کی تھی۔ چنانچہ امام ترمذی نے ابن عمر سے روایت کیا ہے اور اسے صحیح بھی قرار دیا ہے۔ اسی طرح طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

" اللّٰھم اعز الاسلام باحب الرجلین الیک بعمر بن الخطاب او بابی جھل بن ھشام-"

" اے اللہ! عمر بن الخطاب اور ابو جہل بن ہشام میں سے جو شخص تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس کے ذریعے سے اسلام کو قوّت پہنچا۔"

اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ اللہ کے نزدیک ان دونوں میں زیادہ محبوب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے متعلق جملہ روایات پر نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کے ان کے دل میں اسلام رفتہ رفتہ جاگزیں ہوا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات کا خلاصہ پیش کرنے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزج اور جذبات و احساسات کی طرف بھی مختصراً اشارہ کر دیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی تند مزاجی اور سخت خوئی کے لیے ،مشہور تھے۔ مسلمانوں نے ایک طویل عرصے تک ان کے ہاتھوں طرح طرح کی سختیاں جھیلی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں متضاد قسم کے جذبات باہم دست و گریباں تھے، چنانچہ ایک طرف تو وہ آباؤ اجداد کی ایجاد کردہ رسموں کا بڑا احترام کرتے تھے اور بلا نوشی اور لہو و لعب کے دلدادہ تھے لیکن دوسری طرف وہ ایمان اور عقیدے کی راہ میں مسلمانوں کی پختگی اور مصائب کے سلسلے میں ان کی قوت برداشت کو خوشگوار حیرت و پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ پھر ان کے اندر کسی بھی عقلمند آدمی کی طرح شکوک و شبہات کا ایک سلسلہ تھا جو رہ رہ کر ابھرتا تھا کہ اسلام جس چیز کی دعوت دے رہا ہے غالباً وہی زیادہ برتر اور پاکیزہ ہے۔ اس لیے ان کی کیفیت دم میں ماشہ دم میں تولہ کی سی تھی کہ ابھی بھڑکے اور ابھی ڈھیلے پڑ گئے۔[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے متعلق تمام روایات کا خلاصہ مع جمع و تطبیق ------- یہ ہے کہ ایک دفعہ انہیں گھر سے باہر رات گزارنی پڑی۔ وہ حرم تشریف لائے اور خانہ کعبہ کے پردے میں گھس گئے۔ اس وقت نبی ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور سورۃ الحاقّہ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قران کی تلاوت سننے لگے اور اس کی تالیف پر حیران رہ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے اپنے جی میں کہا: " خدا کی قسم یہ تو شاعر ہے جیسا کہ قریش کہتے ہیں" لیکن اتنے میں آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

إِنَّهُۥ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿٤٠﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾

" یہ ایک بزرگ رسول کا قول ہے۔ یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے۔ تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے ---اپنے جی میں--- کہا: (اوہو) یہ تو کاہن ہے۔ لیکن اتنے میں آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٤٣﴾ (الیٰ اٰخر السورۃ)

" یہ کسی کاہن کا قول بھی نہیں، تم لوگ کم ہی نصیحت قبول کرتے ہو۔ یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔" (اخیر سورہ تک)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے اس وقت میرے دل میں ایمان جاگزیں ہو گیا۔[4]

یہ پہلا موقع تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں اسلام کا بیج پڑا، لیکن ابھی ان کے

---

[1] تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزی ص 11

[2] ترمذی ابواب المناقب: مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب 2/209

[3] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات کا تجزیہ شیخ محمد غزالی نے کیا ہے فقہ السیرۃ ص 92-93

[4] تاریخ عمر بن الخطاب لابن جوزی ص 1-6۔ ابن اسحٰق نے عطاء اور مجاہد سے بھی تقریباً یہی بات نقل کی ہے، البتہ اس کا آخری ٹکڑا اس سے مختلف ہے۔ دیکھئے سیرۃ ابن ہشام 1/ 346-348۔ اور خود ابن جوزی نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی کے قریب قریب روایت نقل کی ہے لیکن اس کا آخری حصہ بھی اس روایت سے مختلف ہے۔ دیکھئے تاریخ عمر بن الخطاب ص 1-9

اندر جاہلی جذبات، تقلیدی عصبیت اور آباءاجداد کے دین کی عظمت کے احساس کا چھلکا اتنا مضبوط تھا کہ نہاں خانہ دل کے اندر مچلنے والی حقیقت کے مغز پر غالب رہا، اس لیے وہ اس چھلکے کی تہہ میں چھپے ہوئے شعور کی پرواہ کیے بغیر اپنے اسلام دشمن عمل میں سرگرداں رہے۔ ان کی طبعیت کی سختی اور رسول ﷺ سے فرط عداوت کا یہ حال تھا کہ ایک روز خود جناب محمدؐ ﷺ کا کام تمام کرنے کی نیت سے تلوار لے کر نکل پڑے لیکن ابھی راستے ہی میں تھے کہ نُعَیم بن عبد اللہ النحام عدوی[5] سے یا بنی زہرہ[6] یا بنی مخزوم[7] کے کسی آدمی سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے تیور دیکھ کر پوچھا: عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا: محمدؐ ﷺ کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ اس نے کہا محمدؐ ﷺ کو قتل کرکے بنو ہاشم اور بنو زہرہ سے کیسے بچ سکو گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: معلوم ہوتا ہے تم بھی اپنا پچھلا دین چھوڑ کر بے دین ہو چکے ہو۔ اس نے کہا عمر! ایک عجیب بات نہ بتا دوں! تمہارے بہن بہنوئی بھی تمہارا پچھلا دین چھوڑ کر بے دین ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر عمر غصّے سے بے قابو ہو گئے اور سیدھے بہن بہنوئی کا رخ کیا۔ وہاں انہیں حضرت خبّاب بن ارت رضی اللہ عنہ سورہ طٰہٰ پر مبنی ایک صحیفہ پڑھا رہے تھے اور قرآن پڑھانے کے لیے وہاں آنا جانا حضرت خبّاب رضی اللہ عنہ کا معمول تھا۔ جب حضرت خبّاب نے حضرت عمر کی آہٹ سنی تو گھر کے اندر چھپ گئے۔ ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن نے صحیفہ چھپا دیا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر کے قریب پہنچ کر حضرت خبّاب کی قراءت سن چکے تھے، چنانچہ پوچھا یہ کیسی دھیمی دھیمی سی آواز تھی جو تم لوگوں کے پاس میں نے سنی تھی؟ انہوں نے کہا کچھ بھی نہیں، بس ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: غالباً تم دونوں بے دین ہو چکے ہو؟ بہنوئی نے کہا: اچھا عمر! یہ بتاؤ! اگر حق تمہارے دین کے بجائے کسی اور دین میں ہو تو؟ حضرت عمر کا یہ سننا تھا کہ اپنے بہنوئی پر چڑھ بیٹھے اور انہیں بری طرح کچل دیا۔ ان کی بہن نے لپک کر انہیں اپنے شوہر سے الگ کیا تو بہن کو ایسا چانٹا مارا کہ چہرہ خون آلود ہو گیا۔ ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ ان کے سر میں چوٹ آئی۔ بہن نے جوش غضب میں کہا: عمر! اگر تیرے دین کے بجائے دوسرا دین ہی برحق ہو تو؟ اَشھَدُ اَن لاَّ اِلٰہَ الاَّ اللہ وَ اَشھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللہ۔ میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں شہادت دیتی ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر مایوسی کے بادل چھا گئے اور انہیں اپنی بہن کے چہرے پر خون دیکھ کر شرم و ندامت محسوس ہوئی، کہنے لگے: اچھا یہ کتاب جو تمہارے پاس ہے ذرا مجھے بھی پڑھنے کو دو۔ بہن نے کہا! "تم ناپاک ہو" اس کتاب کو صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ اٹھو غسل کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر غسل کیا پھر کتاب لی اور "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھی۔ کہنے لگے یہ تو بڑے پاکیزہ نام ہیں۔ اس کے بعد طٰہٰ سے اِنَّنِي اَنَا اللّٰهُ لا اِلٰهَ اِلاَّ اَنَا فَاعْبُدْنِي وَاَقِمِ الصَّلاةَ لِذِكْرِي۔ (سورۃ طٰہٰ: 1-149) تک قراءت کی کہنے لگے: "یہ تو بڑا عمدہ اور بڑا محترم کلام ہے۔ مجھے محمدؐ کا پتہ بتاؤ!۔"

حضرت خبّاب رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ فقرے سن کر باہر آ گئے اور کہنے لگے: "عمر! خوش ہو جاؤ۔ مجھے امید ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعرات کی رات تمہارے متعلق جو دعا کی تھی کہ (اے اللہ! عمر بن الخطاب یا ابو جہل بن ہشام کے ذریعے سے اسلام کو قوت پہنچا) یہ وہی ہے۔ اور اس وقت رسول اللہ ﷺ کوہ صفا کے پاس والے مکان میں تشریف فرما ہیں۔"

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار حمائل کی اور اس گھر کے پاس آ کر دروازے پر دستک دی۔ ایک آدمی نے اٹھ کر دروازے کی دراز سے جھانکا تو دیکھا حضرت عمر تلوار حمائل کیے موجود ہیں۔ لپک کر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی، اور سارے سمٹ کر یکجا ہو گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "کیا بات ہے؟" لوگوں نے کہا: "عمر ہیں۔" حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "بس! عمر ہے دروازہ کھول دو۔ اگر وہ خیر کی نیت سے آیا ہے تو ہم اسے خیر عطا کریں گے اور اگر کوئی برا ارادہ لے کر آیا ہے تو ہم اسی کی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیں گے۔" ادھر رسول اللہ ﷺ اندر تشریف فرما تھے آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ وحی نازل ہو چکی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے۔ بیٹھک میں ملاقات ہوئی۔ آپ ﷺ نے ان کے کپڑے اور تلوار کا پرتلا سمیٹ کر پکڑا اور سختی سے جھٹکتے ہوئے فرمایا: "عمر! کیا تم اس وقت تک باز نہ آؤ گے جب تک اللہ تعالیٰ تم پر بھی ویسی ہی ذلت و رسوائی اور عبرتناک سزا نازل نہ فرما دے، جیسی ولید بن مغیرہ پر نازل ہو چکی ہے؟ یا اللہ! یہ عمر بن خطاب ہے۔ یا اللہ! اسلام کو عمر بن خطاب کے ذریعے قوت و عظمت عطا فرما۔" آپ ﷺ کے اس ارشاد کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حلقہ بگوش اسلام ہوتے ہوئے کہا:

اَشھَدُ اَن لاَّ اِلٰہَ الاَّ اللہ وَ اَنَّکَ رَّسُولُ اللہ۔

---

[5] یہ ابن اسحٰق کی روایت ہے۔ دیکھئے ابن ہشام 344/1

[6] یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ دیکھئے تاریخ عمر ابن الخطاب لابن جوزی ص 9-10 و مختصر السیرۃ از شیخ عبد اللہ ص 1-2

[7] یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، دیکھئے مختصر السیرۃ ایضاً ص 1-2

" میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یقیناً آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔"

یہ سن کر گھر کے اندر موجود تمام صحابہ نے اس زور سے تکبیر کہی کہ مسجد حرام والوں کو سنائی پڑی۔[8]

معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زور آوری کا یہ حال تھا کہ کوئی ان سے مقابلے کی جراءت نہ کرتا تھا۔ اس لیے ان کے مسلمان ہو جانے سے مشرکین میں کہرام مچ گیا اور انہیں بڑی ذلت و رسوائی محسوس ہوئی۔ دوسری طرف ان کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو بڑی عزت و قوت، شرف و اعزاز اور مسرت و شادمانی حاصل ہوئی۔ چنانچہ ابن اسحاق نے اپنی سند سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان روایت کیا ہے کہ جب میں مسلمان ہوا تو میں نے سوچا کے مکّے کا کون شخص رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا اور سخت ترین دشمن ہے؟ پھر میں نے جی ہی جی میں کہا۔ یہ ابو جہل ہے۔ اس کے بعد میں نے اس کے گھر جا کر اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ باہر آیا اور دیکھ کر بولا: اھلاً و سھلاً (خوش آمدید، خوش آمدید) کیسے آنا ہوا؟ میں نے کہا: تمہیں بتانے آیا ہوں کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لا چکا ہوں اور جو کچھ وہ لے کر آئے ہیں اس کی تصدیق کر چکا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ (یہ سنتے ہی) اس نے میرے رخ پر دروازہ بند کر دیا اور بولا! اللہ تیرا برا کرے! اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے اس کا بھی برا کرے۔[9]

امام ابن جوزی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب کوئی شخص مسلمان ہو جاتا تو لوگ اس کے پیچھے پڑ جاتے، اسے زدوکوب کرتے اور وہ بھی انہیں مارتا۔ اس لیے جب میں مسلمان ہوا تو اپنے ماموں عاصی بن ہاشم کے پاس گیا اور اسے خبر دی۔ وہ گھر کے اندر گھس گیا، پھر قریش کے ایک بڑے آدمی کے پاس گیا۔ شاید ابو جہل کی طرف اشارہ ہے------- اور اسے خبر دی وہ بھی گھر کے اندر گھس گیا۔[10]

ابن ہشام اور ابن جوزی کا بیان ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو جمیل بن معمر جحمی کے پاس گئے یہ شخص کسی بھی بات کا ڈھول پیٹنے میں پورے قریش میں سب سے زیادہ ممتاز تھا۔ حضرت عمر نے اسے بتایا کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس نے یہ سنتے ہی نہایت بلند آواز سے چیخ کر کہا ابن خطاب کا بیٹا بے دین ہو گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے پیچھے ہی بولے: یہ جھوٹ کہتا ہے میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ بہر حال لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے اور مار پیٹ شروع ہو گئی۔ لوگ حضرت عمر کو مار رہے تھے یہاں تک کہ سورج سر پر آ گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھک کر بیٹھ گئے، لوگ سر پر سوار تھے۔ حضرت عمر نے کہا جو بن پڑے کر لو۔ خدا کی قسم اگر ہم لوگ تین سو کی تعداد میں ہوتے تو پھر مکّے میں یا تم ہی رہتے یا ہم ہی رہتے۔[11]

اس کے بعد مشرکین نے اس ارادے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر پر ہلّہ بول دیا کہ انہیں جان سے مار ڈالیں، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر خوف کی حالت میں گھر کے اندر تھے کہ اس دوران ابو عمر و عاص بن وائل سہمی آ گیا۔ وہ دھاری دار یمنی چادر کا جوڑا اور ریشمی گوٹے سے آراستہ کرتا زیب تن کیے ہوئے تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ سہم سے تھا اور یہ قبیلہ جاہلیت میں ہمارا حلیف تھا۔ اس نے پوچھا کیا بات ہے؟ حضرت عمر نے کہا میں مسلمان ہو گیا ہوں اس لیے آپ کی قوم مجھے قتل کرنا چاہتی ہے۔ عاص نے کہا: یہ ممکن نہیں، عاص کی بات سن کر مجھے اطمینان ہو گیا۔ اس کے بعد عاص وہاں سے نکلا اور لوگوں سے ملا۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ لوگوں کی بھیڑ سے وادی کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ عاص نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ لوگوں نے کہا: یہی خطاب کا بیٹا مطلوب ہے جو بے دین ہو گیا ہے۔ عاص نے کہا اس کی طرف کوئی راہ نہیں۔ یہ سنتے ہی لوگ واپس چلے گئے۔[12] ابن اسحٰق کی ایک روایت میں ہے کہ واللہ ایسا لگتا تھا گویا وہ لوگ ایک کپڑا تھے جسے اس کے اوپر سے جھٹک کر پھینک دیا گیا ہو۔[13]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر یہ کیفیت تو مشرکین کی ہوئی تھی۔ باقی رہے مسلمان تو ان کے احوال کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مجاہد نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کس وجہ سے آپ کا لقب فاروق پڑا؟ تو انہوں نے کہا: مجھ سے تین دن پہلے حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے اسلام لانے کا واقعہ بیان کر کے اخیر میں کہا پھر جب میں مسلمان ہو گیا تو -------- میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم حق پہ نہیں ہیں خواہ زندہ رہیں خواہ مریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں-- اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم لوگ حق پر ہو خواہ زندہ رہو خواہ موت سے دوچار ہو--------

8 تاریخ عمر بن الخطاب ص 7-10-11، مختصر السیرۃ شیخ عبداللہ ص 102-103، سیرت ابن ہشام 1/ 343-346۔

9 ابن ہشام 1/349-350

10 تاریخ عمر ابن الخطاب ص 8

11 ایضا" ص 8۔ ابن ہشام 1/ 348-349

12 صحیح بخاری باب السلام عمر ابن خطاب 1/545

13 ابن ہشام 1/349

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں تب میں نے کہا پھر چھپنا کیسا؟ اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے ہم ضرور باہر نکلیں گے۔ چنانچہ ہم دو صفوں میں آپ ﷺ کو ہمراہ لے کر باہر آئے۔ ایک صف میں حمزہ رضی اللہ عنہ تھے اور ایک میں میں تھا۔ ہمارے چلنے سے چکی کے آٹے کی طرح ہلکا ہلکا غبار اڑ رہا تھا، یہاں تک کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہو گئے، حضرت عمر رضی اللہ کا بیان ہے کہ قریش نے مجھے اور حمزہ کو دیکھا تو ان کے دل پر ایسی چوٹ لگی کہ اب تک نہ لگی تھی۔ اسی دن رسول اللہ ﷺ نے میرا لقب فاروق رکھ دیا۔[14]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ہم خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھنے پر قادر نہ تھے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔[15]

حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو اسلام پردے سے باہر آیا۔ اس کی اعلانیہ دعوت دی گئی۔ ہم حلقے لگا کر بیت اللہ کے گرد بیٹھے، بیت اللہ کا طواف کیا، اور جس نے ہم پر سختی کی اس سے انتقام لیا۔ اور ان کے بعض مظالم کا جواب دیا۔[16]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تب سے ہم برابر طاقتور اور با عزّت رہے۔[17]

14 تاریخ عمر ابن الخطاب لابن جوزی ص 6-7

15 مختصر السیرۃ شیخ عبداللہ ص 103

16 تاریخ عمر ابن الخطاب لابن جوزی ص 13

17 صحیح بخاری: باب اسلام عمر بن خطاب 545/1

چالیسواں مسلمان

" سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبوت کے چھٹے سال ذو الحجہ کے مہینے میں 27 سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ وہ سیدنا حمزہ بن عبد المطلب کے اسلام لانے کے تین دن بعد مسلمان ہوئے۔ فرماتے ہیں : " میں جس دن مسلمان ہوا مسلمانوں کی تعداد 39 تھی۔ میں نے مسلمان ہو کر ان کی تعداد 40 کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے دین کو تقویت بخشی اور دین اسلام کھل کر سامنے آ گیا۔ "

اس وقت مسلمان ہونے والی عورتوں کی تعداد گیارہ تھی۔ چونکہ اہل مکہ کے ڈر سے کئی لوگ اپنے ایمان کو چھپاتے تھے۔ خصوصاً عورتوں کے قبول اسلام کے بارے میں لوگ کچھ نہیں جانتے تھے اس لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صرف مردوں کا ذکر کیا۔ "

(شرح المواھب: 1/317، والطنطاویات: ص 22)

عبد المالک مجاہد کی کتاب
" سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی کے سنہرے واقعات "
صفحہ 21 سے ماخوذ

مولانا حافظ جلال الدین احمد جعفری

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

حضرت عمر بن الخطاب کے حالات

آپ کا نام عمر اور ابو حفص کنیت اور فاروق لقب تھا۔ آپ کے والد کا نام خطاب تھا۔

ایام جاہلیت میں بھی آپ کا خاندان نہایت ممتاز تھا۔ آپ ہجرت سے 40 سال قبل پیدا ہوئے۔ اسلام سے قبل آپ نے سپہ گری، پہلوانی، شہسواری سیکھ لی تھی۔ نسب دانی میں بھی آپ کو مہارت تھی۔ لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا۔ منصب سفارت پر مامور تھے۔ قبائل عرب میں جب کوئی رنج پیدا ہو جاتا تو آپ سفیر بن کر جاتے۔

ذریعہ معاش آپ کا تجارت تھا۔ اسی سلسلہ سے دور دور ملکوں کا آپ نے سفر کیا۔ آپ کی عمر 27 سال کی ہوئی۔ جب حضور ﷺ کو نبوت عطا ہوئی اور توحید کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمر جب کسی کے نسبت سنتے کہ وہ اسلام لایا تو سخت غصہ ہوتے۔ آپ کے بہنوئی حضرت سعید اور آپ کی بہن فاطمہ مسلمان ہوئیں۔ اور ایک لونڈی لبینہ مسلمان ہوئی۔ لبینہ کو آپ بے حد مارتے۔ جب تھک جاتے تو فرماتے ذرا دم لے لوں۔ اس کے علاوہ جس پر قابو چلتا اس کو مارتے۔ مگر کسی نے بھی ان سختیوں سے اسلام کو نہ چھوڑا۔ آخر مجبور ہو کر خود حضور ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا۔ تلوار کمر میں لگا سیدھے حضور ﷺ کی طرف چلے۔ راہ میں نعیم بن عبد اللہ مل گئے اور ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے۔ بولے محمد ﷺ کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔ انہوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی تو خبر لیجیے۔ تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔

فوراً پلٹے۔ بہن کے یہاں گئے۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ آپ کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں۔ اور قرآن کے اجزا چھپا لیے۔ لیکن ان کے کانوں میں آواز پڑ چکی تھی۔ پوچھا یہ کیا آواز تھی۔ بولیں کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا میں سن چکا ہوں تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی کو مارنا شروع کیا۔ جب بہن بچانے آئیں تو ان کو بھی اس قدر مارا کہ تمام جسم سے خون بہنے لگا۔ انہوں نے کہا کہ اے عمر! تم جو چاہے کرو مگر اب اسلام ہمارے دل سے نہیں نکل سکتا۔

ان الفاظ سے آپ کے دل پر خاص اثر ہوا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے۔ مجھے بھی سناؤ۔ آپ کی بہن نے قرآن مجید کے اجزا سامنے لا کر رکھ دیئے۔ دیکھا تو یہ لکھا تھا سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِۖ وَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴿١﴾ (زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب خدا کی تسبیح پڑھتے ہیں وہ غالب حکمت والا ہے)۔ یہ سورہ حدید کی آیت ہے اس کے ہر ہر لفظ سے آپ کے دل پر اثر ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ جب ءَامِنُواْ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ پر پہنچے تو بے اختیار پکار اٹھے کہ اَشهَدُ اَن لاَّ اِلٰهَ الاَّ الله وَ اَشهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ الله۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی چونکہ ہاتھ میں ننگی تلوار تھی صحابہ کو تردد ہوا۔ تو حضرت حمزہ نے فرمایا آنے دو۔ مخلصانہ آئے ہیں تو بہتر ہے ورنہ انہیں کی تلوار سے ان کا سر قلم کر دوں گا۔

حضرت عمر نے جب اندر قدم رکھا تو حضور ﷺ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا: کیوں عمر کس ارادہ سے آئے ہو؟ آپ کو دیکھ کر حضرت عمر پر آپ کا رعب طاری ہو گیا۔ کانپ اٹھے۔ عرض کیا ایمان لانے کے لیے۔ حضور ﷺ نے اور صحابہ نے بے ساختہ زور سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔

حضرت انس کی روایت میں بجائے سورہ حدید کے سورہ طٰہٰ ہے۔ جب آپ اِنَّنِي اَنَا اللّٰهُ لا اِلَٰهَ اِلاَّ اَنَا فَاعْبُدْنِي وَاَقِمِ الصَّلاةَ لِذِكْرِي (میں ہی خدا ہوں، سو میرے کوئی خدا نہیں ہے، اس لیے مجھی کو پوجو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔) اس آیت پر پہنچے تو بے اختیار پکار اٹھے لاَ اِلٰهَ الاَّ الله اور فرمایا کہ مجھے حضور میں لے چلو۔

آپ نبوت کے چھٹے یا ساتویں سال مسلمان ہوئے۔ اس وقت صرف 39 آدمی مسلمان ہوئے تھے مگر مسلمان چھپ چھپ کر عبادت کرتے تھے۔ آپ کے اسلام کے ساتھ ہی حالت بدل گئی جب آپ نے کفار کے مجمع میں اپنے اسلام کا اعلان فرمایا تو کفار کو نہایت غصہ ہوا اور آپ کو بھی ایذائیں پہنچاتے رہے۔ مگر آپ نہایت استقلال سے ان کا مقابلہ فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ اعلانیہ کعبہ میں جماعت کے ساتھ آپ نے نماز پڑھی۔ حضور ﷺ نے اس صلہ میں آپ کو فاروق کا لقب عطا فرمایا۔

چھ سات برس تک آپ نے کفار کی ایذائیں اٹھائیں۔ 13ھ میں حضور ﷺ کی اجازت سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر اس طرح روانہ ہوئے کہ ہتھیار

بند خانہ کعبہ پہنچے۔ نہایت اطمینان سے طواف کیا۔ نماز پڑھی پھر مشرکین سے فرمایا جس کو مقابلہ کرنا ہو مکہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرے۔ مگر کسی کی ہمت نہ پڑی۔

آپ نے مدینہ پہنچ کر قبا میں قیام فرمایا۔ آپ کے بعد اور بہت سے صحابہ ہجرت کر کے تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ نے خود حضرت ابو بکر کو ساتھ لے کر ہجرت کی اور قبا میں قیام فرمایا۔

مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے حضور ﷺ نے مہاجرین کے قیام کا انتظام فرمایا اور انصار سے ان کا بھائی چارہ قائم کر دیا۔ آپ کی اخوۃ عتبان بن مالک سے قائم کی۔ پھر آپ وہیں رہنے لگے۔ جب مسلمانوں کی تعداد بڑھی تو اعلان نماز کی ضرورت ہوئی۔ حضرت عمر نے یہ رائے دی کہ ایک آدمی مقرر ہو وہ اعلان کرے۔ اس وقت سے اذان قائم ہوئی۔

غزوات اور آپ کے دیگر حالات

اسلام لانے کے بعد سے حضور ﷺ کی وفات تک جتنی لڑائیاں پیش آئیں۔ غیر قوموں سے جو معاہدات ہوئے اور جو انتظامات کیے گئے۔ اور اشاعت اسلام کی جو تدبیریں عمل میں آئیں۔ کوئی کام بغیر حضرت عمر کی شرکت کے انجام نہیں پایا۔ مگر یہاں ہم مختصراً لکھتے ہیں۔

جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو قریش کو یہ خیال ہوا کہ اگر مسلمانوں کی جلد بیخ کنی نہ کی گئی تو زیادہ زور پکڑ جائیں گے۔ اس خیال سے اب انہوں نے مدینہ پر حملے کی تیاریاں شروع کیں۔ ایک سال کے بعد 2ھ میں بدر کا واقعہ پیش آیا۔ اس میں حضرت عمر رائے، تدبیر، جانبازی سے حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ کے اور اسلام کے مقابل میں آپ نے عزیزوں کی بھی پرواہ نہ کی۔ اپنے ماموں عاصی بن ہشام کو اپنے ہاتھ سے مارا۔

واقعہ بدر کے بعد مدینہ کے یہود سے یہ معاہدہ ہوا کہ مسلمانوں کے خلاف دشمن کو مدد نہ دیں گے اور کوئی دشمن چڑھ آئے تو مسلمانوں کی مدد کریں گے۔ لیکن پھر ان کو یہ ڈر پیدا ہوا کہ مسلمان زور پکڑ کر ان کے مقابل بن جائیں گے اس لیے خود چھیڑ شروع کر دی۔ یہاں تک کہ معاہدہ توڑ ڈالا۔ حضور ﷺ نے ان پر چڑھائی کی۔ یہاں تک کہ سب گرفتار کر کے جلاوطن کیے گئے۔

قریش کو بدر کی شکست سے بدلہ لینے کا بے حد جوش تھا۔ یہاں تک کہ شوال 3ھ میں احد کا معرکہ پیش آیا۔ اس میں پہلے تو مسلمانوں کی فتح ہوئی۔ لیکن مسلمان مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے مشرکین نے دوبارہ حملہ کر دیا۔ اس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی کسی نے حضور ﷺ کے شہید ہونے کی خبر غلط مشہور کر دی۔ جس سے مسلمان پریشان ہو گئے۔ کوئی مدینہ بھاگ گیا۔ کوئی اس خیال سے لڑتا رہا کہ آپ کے بعد جینا بیکار ہے۔ کسی نے سپر ڈال دی کہ اب لڑنے سے کیا حاصل۔ حضرت عمر نے بھی سپر ڈال دی۔ حضرت انس نے آپ سے کہا کہ اگر حضور ﷺ شہید ہوگئے تو خدا تو زندہ ہے بیٹھے کیا ہو چل کر لڑو۔ حضرت انس خود لڑے اور 170 زخم کھا کر شہید ہوئے۔ حضرت عمر کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضور زندہ ہیں تو حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے۔

پھر ایک دستہ فوج کفار کا حضور کی طرف بڑھا۔ اس وقت حضور پہاڑ پر تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ خدایا یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں۔ حضرت عمر نے چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان لوگوں کو ہٹا دیا۔ ابو سفیان نے درّہ کے قریب پہنچ کر پکارا کہ گروہ میں محمد ہیں کہ نہیں۔ حضور ﷺ نے اشارہ سے منع فرمایا اس لیے کسی نے جواب نہ دیا۔ ابو سفیان نے پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کا نام لے کہا کہ اس مجمع میں ہیں کہ نہیں۔ جب بھی کسی نے جواب نہ دیا تو اس نے کہا کہ بے شک یہ لوگ مارے گئے۔ پھر کہا اعل ھبُل (اے ہبل بلند ہو) اس وقت حضور ﷺ کے حکم سے حضرت عمر نے جواب دیا اللہ اعلیٰ و اجل (خدا بلند اور برتر ہے)۔

غزوہ احد کے بعد حضرت عمر کی صاحبزادی حضرت حفصہ حضور ﷺ کے نکاح میں آئیں۔

غزوہ احد کے بعد بنو نضیر کا واقعہ پیش آیا۔ حضور ﷺ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو ساتھ لے کر ان سے مدد کے لیے گئے۔ ان لوگوں نے ایک شخص کو آمادہ کیا کہ چھت پر چڑھ کر آپ پر پتھر کی سل گرا دے حضور ﷺ کو بذریعہ وحی خبر ہو گئی۔ آپ وہاں سے اٹھ کر چلے گئے اور کہلا بھیجا کہ تم لوگ مدینہ سے نکل جاؤ۔ انہوں نے انکار کیا اور لڑنے کو تیار ہوئے۔ آپ نے گرفتار کر کے ان کو جلاوطن کر دیا۔ ان میں سے کچھ شام چلے گئے اور کچھ خیبر یہ سب یہود تھے۔ وہاں جا کر اپنی حکومت قائم کر لی۔

وہاں سے مکہ معظمہ جا کر قریش کو ترغیب دی اور قبائل عرب میں دورہ کر کے تمام ملک میں آگ لگا دی۔ تھوڑے ہی دنوں میں قریش کے جھنڈے کے نیچے دس ہزار آدمی جمع ہو گئے اور شوال 5ھ میں ابو سفیان کی سرداری میں مدینہ کا رخ کیا۔ حضور ﷺ نے مدینہ سے باہر نکل کر سلع پہاڑ کے آگے ایک خندق تیار کرائی۔ کفار نے خندق کے گرد ہر طرف اپنی فوجیں پھیلا دیں اور رسد وغیرہ بند کر دی۔ ایک مہینہ تک محاصرہ رہا۔ ایک حصہ پر حضرت عمر متعین تھے۔ یہاں ان کے نام کی ایک مسجد اب تک موجود ہے۔ ایک دن کافروں نے حملہ کیا تو حضرت عمر نے آگے بڑھ کر روکا اور ان کی جماعت متفرق کر دی۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی فتح ہوئی۔ اس جنگ کا نام جنگ احزاب یا جنگِ خندق ہے۔

6ھ میں حضور ﷺ نے زیارت کعبہ و عمرہ کا قصد فرمایا۔ اس خیال سے کہ قریش کو لڑائی کا

شبہ نہ ہو حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے ذو الحلیفہ مدینہ سے چھ میل پر ہے۔ وہاں پہنچ کر حضرت عمر کو یہ خیال ہوا کہ اس طرح چلنا مصلحت کے خلاف ہے۔ حضور ﷺ سے عرض کیا۔ آپ نے ان کی رائے پسند فرمائی۔ اور مدینہ سے ہتھیار منگوائے۔ جب مکہ معظمہ دو منزل وہ گیا تو مکہ سے ابو سفیان کے لڑکے بشیر نے آکر خبر دی کہ قریش نے یہ عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں نہ جانے دیں۔ حضور ﷺ نے حضرت عمر کو اس خدمت پر مقرر کرنا چاہا۔ آپ نے عرض کیا کہ قریش کو مجھ سے سخت عداوت ہے اور میرے خاندان کا مکہ میں کوئی نہیں ہے۔ حضرت عثمان کے عزیز وہیں ہیں۔ اس لیے ان کو بھیجنا چاہیے۔ آپ نے یہ رائے پسند فرمائی اور حضرت عثمان کو بھیج دیا۔ قریش نے ان کو روک رکھا۔ کئی دن کے بعد یہ خبر مشہور ہوئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے حضور ﷺ نے یہ سن کر صحابہ سے جو تعداد میں 1400 تھے جہاد پر بیعت لی یہ بیعت ایک درخت کے نیچے ہوئی تھی اس لیے اس کو بیعت الشجر کہتے ہیں اور آیت رضوان کی مناسبت سے اس کو بیعت الرضوان بھی کہتے ہیں۔ بعد کو معلوم ہوا کہ خبر غلط ہے۔ پھر کفار سے معاہدہ ہوا کہ اس مرتبہ مسلمان لوٹ جائیں۔ اگلے سال آئیں۔ لیکن تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں اور دس برس تک لڑائی موقوف رہے۔ اس درمیان میں اگر قریش کا کوئی آدمی یہاں آ جائے تو مسلمان اس کو واپس دیدیں۔ اگر مسلمانوں کا کوئی آدمی قریش کے پاس آ جائے تو ان کو اختیار ہو گا کہ واپس دیں یا نہ دیں۔

اس معاہدہ سے حضرت عمر سخت بے چین ہوئے۔ حضرت ابو بکر سے کہا، انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ جو کرتے ہیں اسی میں مصلحت ہو گی۔ لیکن آپ کو تسکین نہ ہوئی۔ خود حضور ﷺ کے پاس جا کر گفتگو کی۔ اس کے بعد معاہدہ لکھا گیا اور بڑے بڑے صحابہ کے دستخط ہوئے۔ معاہدہ کے بعد حضور ﷺ مدینہ شریف لوٹے راہ میں سورہ فتح نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے حضرت عمر کو بلا کر فرمایا کہ یہ سورہ اس وقت نازل ہوئی ہے اس معاہدہ کے بعد میل جول سے اس قدر لوگ مسلمان ہوئے کہ اس سے پہلے 18 برس کی مدت میں بھی اس قدر مسلمان نہ ہوئے تھے۔

اس کے بعد 7ھ میں خیبر کا واقعہ پیش آیا۔ خیبر میں یہودیوں نے بڑے بڑے قلعے بنا رکھے تھے۔ سب قلعے آسانی سے فتح ہو گئے۔ مرحب کا قلعہ حضرت علی کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ خیبر کی زمین سے کچھ حصہ حضرت عمر کو بھی ملا تھا۔ اس کو آپ نے وقف کر دیا۔

اس کے بعد فتح مکہ کا واقعہ پیش آیا۔ بعد فتح حضور ﷺ نے جب لوگوں سے کوہِ صفا پر بیعت لی تو حضرت عمر آپ کے ساتھ تھے۔ جب آپ مردوں سے بیعت لے چکے اور عورتوں کی باری آئی تو آپ نے حضرت عمر کو حکم دیا انہوں نے عورتوں سے بیعت لی۔

اس کے بعد غزوہ حنین پیش آیا۔ اس میں پہلے حملے میں مسلمانوں نے دشمن کو بھگا دیا۔ مگر غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہوئے تو دشمن نے پھر حملہ کیا۔ اور اس قدر تیر برسائے کہ مسلمانوں میں ہل چل پڑ گئی۔ اس معرکہ میں جو صحابہ ثابت قدم رہ گئے تھے ان میں حضرت عمر بھی شامل تھے۔ اس کے بعد پھر مسلمانوں کو فتح ہوئی 6 ہزار آدمی دشمن کے گرفتار ہوئے۔

9ھ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ حضور ﷺ نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا اور صدقہ کا وعظ فرمایا اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمیں دیں۔ حضرت عمر نے آدھا مال لا کر حاضر کر دیا۔ رسد کا سامان کر کے حضور ﷺ مدینہ سے روانہ ہوئے تبوک میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی۔ اس لیے چند روز قیام کے بعد واپس آئے۔

اس کے بعد حجۃ الوداع پیش آیا۔ اس میں بھی حضرت عمر ساتھ تھے۔ وہاں سے واپسی کے بعد حضور ﷺ بیمار ہوئے۔ دس دن کی علالت کے بعد 12 ربیع الاول کو آپ نے وفات پائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی مفارقت کا اس قدر صدمہ ہوا کہ آپ کے حواس جاتے رہے۔ حضرت ابو بکر کی تقریر سے آپ کے حواس درست ہوئے۔ پھر خلافت کا معاملہ درپیش ہوا۔ مسلمانوں کی رائے سے حضرت ابو بکر خلیفہ ہوئے۔ سب سے پہلے آپ کے ہاتھ پر حضرت عمر نے بیعت کی اور ان کے زمانہ تک جس قدر بڑے بڑے کام تھے سب میں حضرت عمر شریک رہے۔

حضرت ابو بکر کو اپنے زمانہ خلافت میں تجربہ ہو گیا تھا کہ منصب خلافت کے لیے حضرت عمر فاروق سے زیادہ کوئی شخص موزوں نہیں ہے۔ مگر پھر بھی آپ نے صحابہ سے مشورہ لے کر ان کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا اور بلا کر مفید نصیحتیں کیں۔

فتوحات

خلیفہ اول کے وقت عراق میں حیرہ تک فتح ہوا تھا اور شام میں سرحدی اضلاع مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے تھے۔ حضرت عمر نے اپنا سب سے پہلا فرض یہ سمجھا کہ ان مہمات کی تکمیل کریں۔

بیعت خلافت کے وقت اطراف سے بکثرت آدمی آئے تھے۔ آپ نے اس مجمع میں جہاد کا وعظ فرمایا۔ مگر ایران بہت بڑی قوت اور سلطنت تھی لوگوں نے یہ خیال کیا کہ اس کا فتح ہونا دشوار ہے اس لیے کوئی مستعد نہ ہوا۔ آپ نے چار دن برابر وعظ فرمایا، چوتھے دن لوگوں کے دلوں پر اثر ہوا۔ مثنیٰ شیبانی نے کہا کہ مسلمانو! ہم نے مجوسیوں کو خوب آزما لیا ہے وہ مرد

میدان نہیں ہیں۔ پھر ابو عبید ثقفی نے نہایت جوش میں کہا کہ اس کام کے لیے میں ہوں اور بڑھ کر بیعت جہاد کیا۔ پھر تو لوگ جوق جوق بیعت جہاد کرنے لگے۔

حضرت عمر نے مدینہ اور اس کے اطراف سے ایک ہزار یا پانچ ہزار آدمی منتخب کر کے ابو عبیدہ کو سپہ سالار مقرر فرما کر روانہ کیا۔

ایران کے بادشاہ نے رستم کو جو نہایت دلیر اور مدبر مانا جاتا تھا وزیر جنگ مقرر کیا اور تمام اہل فارس کو اتفاق پر آمادہ کیا۔

رستم نے ابو عبیدہ کے پہنچنے سے پہلے فرات کے اضلاع پر قبضہ کر لیا۔ جو مسلمانوں کے قبضہ میں آ چکے تھے۔ بادشاہ ایران نے رستم کی مدد کے لیے نرسی اور جابان کی ماتحتی میں ایک اور فوج بھیجی۔ نرسی کی فوج نمارق پہنچ کر ابو عبیدہ کی فوج سے لڑی اور بری طرح شکست کھا کر بھاگی۔ اس فوج کے بڑے افسر جوشن شاہ اور مردان شاہ مارے گئے۔ جابان گرفتار ہوا۔ مگر جس نے گرفتار کیا تھا وہ پہچانتا نہ تھا۔ اس لیے اس نے یہ دھوکا دیا کہ میں بڑھاپے میں تمہارے کس کام کا ہوں۔ میرے بدلہ میں وہ غلام لے لو اور مجھے چھوڑ دو۔ اس نے منظور کر کے چھوڑ دیا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ یہ جابان تھا۔ لوگوں نے کہا مگر ابو عبیدہ نے کہا اسلام میں بد عہدی جائز نہیں۔

اس کے بعد ساقطیہ میں پھر نرسی کی فوج سے مقابلہ ہوا اور نرسی کی فوج کو شکست ہوئی۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ قرب و جوار کے تمام رؤسا خود مطیع ہو گئے۔

ان دونوں کی شکست کو سن کر رستم نے بہمن کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ ابو عبیدہ کے مقابلہ میں روانہ کیا۔ ابو عبیدہ فرات سے پار اتر کر لڑے۔ مسلمانوں کو سخت شکست ہوئی۔ نو ہزار سے صرف 3 ہزار باقی رہ گئے۔

حضرت عمر کو جب یہ خبر پہنچی تو سخت رنج ہوا۔ آپ نے پر جوش وعظ کیے۔ اس سے تمام قبائل عرب میں جوش پھیل گیا۔ یہاں تک کہ عیسائیوں نے بھی مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ غرض حضرت عمر نے ایک بڑی فوج میدان میں روانہ کی۔ جریر بجلی کو اس کا سردار مقرر کیا۔ یہاں مثنیٰ نے بھی ایک زبردست فوج تیار کر لی تھی۔

شاہِ ایران نے 12 ہزار بہادروں کی فوج تیار کی۔ مہران بن مہرویہ کے ساتھ مقابلہ کے لیے بھیجا۔ حیرہ کے قریب دونوں فوجوں میں سخت لڑائی ہوئی۔ مہران مارا گیا۔ مثنی نے پل کا راستہ روک دیا۔ ایرانیوں کے بکثرت آدمی مارے گئے جو بچے بھاگ گئے۔ اس فتح کے بعد مسلمان پورے عراق پر قابض ہو گئے۔

ایران میں یہ خبر پہنچی تو ایرانی سخت پریشان ہوئے۔ انہوں نے تمام قلعے مضبوط کیے اور مسلمانوں کے مفتوحہ ممالک میں بغاوت پھیلانے کی کوشش کی۔ اس طرح مسلمانوں کے ہاتھ سے تمام مفتوحہ مقامات نکل گئے۔

حضرت عمر کو جب یہ خبر پہنچی تو حضرت سعد بن وقاص کو 20 ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ اس میں 70 بدریین تھے اور 300 بیعۃ الرضوان کے لوگ اور تین سو فتح مکہ کے لوگ تھے اور سات سو تابعی تھے۔

حضرت سعد بن وقاص نے شرات پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ مثنی آٹھ ہزار آدمیوں کے ساتھ ذی وقار میں اس فوج کا انتظار کر رہے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے بھائی معنّٰی حضرت سعد سے ملے اور مثنی نے جو ضروری مشورے دیئے تھے بیان کیا۔

حضرت عمر نے اسلام سے قبل ملک عراق کی سیر کی تھی۔ وہ خوب واقف تھے۔ اس لیے حضرت سعد سے آپ نے پڑاؤ کا نقشہ اور وہاں کی حالت اور رسد وغیرہ کا حال دریافت کیا۔

اس کے بعد آپ نے لڑائی کے متعلق پوری ہدایتیں بھیجیں اور یہ حکم دیا کہ شرات کو چھوڑ کر قادسیہ کو میدان جنگ بنائیں۔ حضرت سعد نے اسی ہدایت کے مطابق کام کیا۔

سعد نے پہلے نعمان بن مقرن کے ساتھ 14 آدمی منتخب کر کے ایران بھیجا کہ شاہِ ایران اور اس کے دوستوں کو اسلام کی ترغیب دیں سفارت گئی اور واپس آئی۔ نہ اسلام قبول کیا نہ جزیہ۔

اس واقعہ کے بعد کئی مہینہ تک دونوں طرف سے سکوت رہا۔ رستم سباط میں پڑا تھا اور یہ قادسیہ میں۔ جب زیادہ دن گزر گئے تو رستم کو مقابلہ کے لیے بڑھنا پڑا۔ اس لیے بھی سباط سے نکل کر قادسیہ کے میدان میں خیمہ ڈالا۔

رستم جیسا کہ پہلے سے لڑائی کو ٹالتا رہا۔ قادسیہ پہنچ کر بھی ٹالتا رہا اور مدتوں نامہ پیام کا سلسلہ جاری رکھا۔ لیکن مسلمانوں کا ہمیشہ یہ جواب ہوتا رہا کہ اسلام یا جزیہ منظور نہیں ہے تو تلوار سے فیصلہ ہوگا۔ رستم جب صلح سے مایوس ہوا تو سخت غصہ ہوا اور قسم کھائی کہ تمام عرب کو ویران کر دوں گا۔

قادسیہ کی لڑائی

رستم نے غصہ ہو کر فوج کو تیاری کا حکم دیا اور خود دوہری زرہیں پہنیں اور تمام ہتھیاروں سے آراستہ ہو کر کہا کہ کل عرب کو تباہ کر دوں گا۔ کسی نے کہا اگر خدا نے چاہا بولا خدا نے نہ چاہا تب بھی۔

فوجوں کی صفیں قائم ہوئیں۔ پیچھے ہاتھیوں کا قلعہ باندھا اور وہاں سے دار السلطنت تک کچھ کچھ فاصلے پر ہاتھی بٹھا دیئے۔ قادسیہ کا میدان آدمیوں کا جنگل نظر آنے لگا۔ پیچھے ہاتھیوں کے کالے پہاڑ نے عجیب خوفناک سما بنا دیا۔ دوسری طرف مجاہدین اسلام کا لشکر صف بستہ کھڑا تھا۔

اسلام کی فوج نے 3 نعرے اللہ اکبر کے لگائے، چوتے پر جنگ شروع ہوئی۔ دن بھر

لڑائی ہوئی رات کو دونوں اپنے اپنے خیموں میں واپس آئے۔ شام کو چھ ہزار فوج عین معرکے کے وقت پہنچی اور حضرت عمر نے قیمتی تحفے بھیجے جو عین جنگ کے وقت پہنچے۔ قاصد نے پکار کر کہا کہ یہ تحفے ان لوگوں کے لیے ہیں جو اس کا حق ادا کریں۔ اس نے مسلمانوں کے جوش کو اور بڑھا دیا۔ دو ہزار مسلمان اور دس ہزار ایرانی مقتول و مجروح ہوئے۔

تیسرے دن پہلے برچھیوں سے ہاتھیوں کی آنکھیں بیکار کر دیں۔ اور پیل سفید پر تلوار ماری اس سے سونڈ کٹ گئی۔ وہ ہاتھی بھاگا۔ اس کا بھاگنا تھا کہ تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہو لیے۔ اس طرح ہاتھیوں کے حملوں سے نجات ملی۔ تو بہادروں نے جی کھول کر لڑنا شروع کیا۔ اس زور کا رن پڑا کہ زمین دہل گئی۔ رستم بھی نہایت بہادری سے لڑتا رہا جب زخموں سے چور ہو گیا تو بھاگ نکلا اور ایک نہر میں کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے مگر ہلال نام ایک غازی نے اس کا پیچھا کیا اور ٹانگیں پکڑ کر کھینچ لایا۔ پھر تلوار سے کام تمام کر دیا رستم کے ہلاک ہوتے ہی ایرانی سپاہیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمانوں نے دور تک پیچھا کیا۔ ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں۔ قادسیہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

حضرت سعد نے حضرت عمر کو فتح کی خوش خبری لکھی جس وقت قاصد یہ خبر لے کر پہنچا حضرت عمر نہایت خوش ہوئے اور مجمع عام میں اس کا اعلان کیا اور فرمایا:

"مسلمانو! میں بادشاہ نہیں ہوں، میں خدا کا غلام ہوں البتہ خلافت کا بار میرے سر پر رکھا گیا اگر میں اس طرح تمہارا کام کروں کہ تم چین سے گھروں میں سوؤ تو میری سعادت ہے اور اگر میری خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو میری بد بختی ہے۔ میں تم تو تعلیم دینا چاہتا ہوں۔ لیکن قول سے نہیں بلکہ عمل سے۔

قادسیہ کی فتح کے بعد مسلمان آگے بڑھے۔ بابل، کوثی، بہرہ سیر، مدائن پر آسانی سے قبضہ کر لیا۔ ایرانیوں نے مدائن (نوشیرواں کا دار السلطنت) سے نکل کر جلولا کو اپنا فوجی مرکز بنایا اور رستم کے بھائی حرزاد نے یہاں ایک بڑی فوج جمع کر لی۔ سعد نے ہاشم بن عتبہ کو جلولا پر مقرر کیا۔ یہ ایک نہایت مضبوط مقام تھا۔ اس لیے مہینوں میں فتح ہوا۔ یہاں سے اسلامی فوج کا ایک دستہ علوان کی طرف بڑھا اور اس پر آسانی سے قابض ہو گیا حلوان عراق کا آخری سرحد ہے۔ اس کے بعد پورے عراق پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

عراق کے نکل جانے کا ایرانیوں کو سخت رنج تھا۔ اس لیے یزدگرد نے عراق کے نکل جانے کے بعد مرو کو اپنا دار السلطنت بنایا اور تمام ملک میں فرامین بھیج کر لوگوں کو عربوں سے لڑنے کے لیے آمادہ کیا۔ ڈیڑھ لاکھ آدمی قم میں آ کر جمع ہو گئے۔ یزدگرد نے مردان شاہ کو لشکر کا سردار بنا کر نہاوند کی طرف روانہ کیا۔

حضرت عمر نے نعمان بن مقرن کو تیس ہزار فوج کے ساتھ روکنے کے لیے بھیجا۔ نہاوند کے قریب سخت جنگ ہوئی۔ نعمان شہید ہوئے۔ ان کے بھائی نعیم بن مقرن نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور لڑائی جاری رکھی۔ رات ہوتے ہوتے ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمانوں نے ہمدان تک قبضہ کر لیا۔ اس لڑائی میں تقریباً 30 ہزار ایرانی مارے گئے اور فیروز جس کے ہاتھ حضرت عمر کی شہادت ہوئی اسی لڑائی میں گرفتار ہوا۔

اس کے بعد حضرت عمر کو خیال ہوا کہ جب تک ایران میں کوئی بادشاہ موجود ہے لڑائی کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اس لیے آپ نے عام لشکر کشی کا ارادہ کیا اور اپنے ہاتھ سے متعدد نشان تیار کیے اور مشہور افسروں کو دے کر خاص خاص ملکوں پر مقرر کیا۔ 21ھ میں یہ سب فوج اپنے متعینہ ملکوں میں روانہ ہوئیں۔ اور نہایت جوش سے حملہ کر کے تمام ملک فتح کر لیا۔ صرف ڈیڑھ دو برس کے عرصہ میں کسریٰ کی ساری حکومت دنیا سے جاتی رہی۔

حضرت عمر کو جس وقت خبر ملی تمام لوگوں کو جمع کر کے یہ خوش خبری سنائی اور ایک مؤثر تقریر کی اور آخر تقریر میں فرمایا کہ آج مجوسیوں کی سلطنت خدا کی نافرمانی کی وجہ سے برباد ہو گئی لیکن اگر تم بھی اسلام پر قائم نہ ہو گے تو خدا تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کو دے دے گا۔

فتوحاتِ شام

شام کا کچھ حصہ خلیفہ اول کے عہد میں فتح ہو چکا تھا۔ دمشق کا محاصرہ خالد بن ولید کیے ہوئے تھے کہ خلیفہ اول کا انتقال ہو گیا۔ دمشق حضرت عمر کے عہد میں فتح ہوا۔

دمشق کی فتح سے رومیوں کو سخت رنج ہوا ہر طرف سے فوجیں جمع کر کے بیسان میں آئے مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں صفیں آراستہ کیں اور عیسائیوں کے درخواست پر معاذ بن جبل سفیر بن کر بھیجے گئے۔ مگر صلح نہ ہوئی۔ آخر 14ھ کے آخر میں فحل کے میدان میں سخت جنگ ہوئی۔ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ غنیم کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمان صوبہ اردن کے تمام شہر اور مقامات پر قابض ہو گئے۔

دمشق اور اردن کی فتح کے بعد مسلمانوں نے حمص کا رُخ کیا۔ وہاں پہنچ کر حمص کا محاصرہ کر لیا۔ حمص والوں نے صلح کر لی پھر لاذقیہ پہنچے اور اس کے مستحکم قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

حمص وغیرہ کی فتح کے بعد ہرقل نے دار السلطنت انطاکیہ کا رُخ کیا۔ لیکن وہاں حضرت عمر کا حکم پہنچا کہ اس سال آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔ اس لیے فوجیں واپس آ گئیں۔

بار بار شکست سے قیصر کو سخت غصہ آیا۔ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے اپنا پورا زور صرف

کرنے پر آمادہ ہوا۔ چنانچہ اس کی کوشش سے انطاکیہ میں نہایت کثرت سے فوجیں جمع ہوگئیں۔

حضرت ابو عبیدہ نے اس طوفان کے روکنے کے لیے افسروں سے مشورہ لے کر تمام ممالک مفتوحہ کو خالی کر کے دمشق میں اپنی فوج جمع کی اور ذمیوں سے جو کچھ جزیہ وصول کیا گیا تھا۔ سب واپس کر دیا۔ اس لیے کہ اب مسلمان ان کی حفاظت سے مجبور تھے۔ اس کا عیسائیوں اور یہودیوں پر اتنا اثر ہوا کہ روتے تھے اور جوش سے کہتے تھے کہ خدا تم کو جلد واپس لائے۔

حضرت عمر کو اگرچہ مقامات مفتوحہ کے چھوڑنے کا سخت رنج ہوا۔ مگر جب معلوم ہوا کہ یہ کام افسروں کے مشورہ سے ہوا تو فرمایا کہ اسی میں خدا کی مصلحت ہوگی اور سعد بن عامر کو ایک ہزار مجاہدین کے ساتھ مدد کے لیے روانہ کیا۔

یرموک کے میدان میں سب فوجیں جمع ہوئیں ۔ رومی فوج دو لاکھ تھی اور مسلمانوں کی تعداد صرف تیس بتیس ہزار۔

یرموک کا پہلا معرکہ بے نتیجہ رہا۔ دوسرے معرکہ میں رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں پادری ہاتھوں میں صلیب لیے آگے آگے حضرت عیسیٰ کا نام لے لے کر جوش دلاتے تھے۔ لیکن مسلمانوں کی بہادری اور استقلال کے سامنے ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ تقریباً ایک لاکھ عیسائی مارے گئے اور مسلمانوں کی طرف تین ہزار کا نقصان ہوا۔ قیصر کو یہ خبر ملی تو قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ حضرت عمر نے یہ خبر سنی تو اسی وقت خدا کے شکر کا سجدہ کیا۔

یرموک کی فتح کے بعد انطاکیہ ، جومہ ، قورس وغیرہ دس پندرہ چھوٹے چھوٹے مقامات آسانی سے فتح ہوگئے۔

بیت المقدس

حضرت عمرو بن العاص جو فلسطین کی مہم پر متعین ہوئے تھے انہوں نے 16ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ اسی اثنا میں حضرت ابو عبیدہ بھی اپنے مہمات سے فارغ ہو کر شریک ہو گئے۔ وہاں کے عیسائیوں نے صلح کی خواہش کی اور یہ کہا کہ امیر المومنین خود تشریف لائیں اور اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں۔ آپ کو خبر کی گئی تو آپ حضرت علی کو نائب مقرر کر کے مدینہ سے روانہ ہوگئے۔

حضرت عمر مدینہ سے روانہ ہو کر جابیہ پہنچے۔ یہاں افسروں نے آپ کا استقبال کیا اور یہیں قیام کر کے آپ نے معاہدہ صلح لکھا پھر بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ پہلے مسجد تشریف لے گئے پھر عیسائیوں کے گرجا کی سیر کی۔ نماز کا وقت ہوا تو گرجا کے باہر آپ نے نماز پڑھی۔

بیت المقدس سے واپس ہو کر آپ نے تمام ملک کا دورہ کیا اور بخیریت مدینہ واپس تشریف لائے۔

بیت المقدس کی فتح کے بعد جزیرہ، اہواز، سوس، شوستر وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے معرکے پیش آئے۔ سب میں مسلمانوں کی فتح رہی۔ شوستر کا رئیس ہرمزان گرفتار ہو کر مدینہ آیا۔ یہاں پہنچ کر اسلام لایا۔ حضرت عمر کو نہایت خوشی ہوئی۔ مدینہ میں رہنے کی اجازت دی۔ دو ہزار سالانہ وظیفہ مقرر فرمایا۔

فتوحات مصر

حضرت عمر بن العاص نے حضرت عمر سے اجازت لے کر چار ہزار فوج سے مصر پر چڑھائی کی اور چھوٹے چھوٹے شہر فتح کرتے ہوئے فسطاط کے قلعہ کا محاصرہ کیااور حضرت عمر کو امداد کے لیے لکھا۔ آپ نے دس ہزار فوج چار افسروں کی ماتحتی میں بھیجا اور یہ لکھا کہ ان افسروں میں سب ایک ایک ہزار کے برابر ہے۔ وہ چار افسر حضرت زبیر بن العوام، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت مقداد ابن عمرو ، حضرت سلمہ بن مخلد تھے۔ حضرت عمر بن عاص نے حضرت زبیر کو ان کے رتبہ کے لحاظ سے تمام فوج کا افسر کر دیا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات ان کے ہاتھ میں دیدیے۔ سات مہینہ محاصرہ رہا۔ ایک دن حضرت زبیر نے کہا کہ آج مسلمانوں پر قربان ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر سیڑھی لگا کر قلعہ کی فیصل پر چڑھ گئے۔ چند اور صحابی بھی ان کے ساتھ ہوئے۔ فصیل پر سب نے ایک ساتھ اللہ اکبر کے نعرے بلند کیے۔ تمام فوج نے نعرہ مارا۔ عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ میں گھس آئے۔ بد حواس بھاگے ۔ حضرت زبیر نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ تمام فوج اندر گھس آئی۔ مقوقس نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی۔ اسی وقت سب کو پناہ دے دی گئی۔

اس صلح کی خبر ہرقل کو ئی تو نہایت ناخوش ہوا۔ اسی وقت ایک عظیم الشان فوج روانہ کی کہ اسکندریہ بھیج کر مسلمانوں سے مقابلہ کریں۔

اسکندریہ کی فتح

راہ میں عیسائیوں نے مسلمانوں کو روکنا چاہا۔اس لیے کریون کے مقام پر جنگ ہوئی اور فتح مسلمانوں کو ہوئی۔ بکثرت عیسائی مارے گئے ۔ وہاں سے مسلمان اسکندریہ پہنچے ۔ اسکندریہ بہت دنوں کے محاصرہ کے بعد فتح ہوا۔ حضرت عمر نے مژدہ فتح سنا تو خدا کا شکر کیا اور سجدے میں گر پڑے۔

فتح اسکندریہ کے بعد تمام مصر پر اسلام کا سکہ بیٹھ گیا اور بہت سے قبطی برضا و رغبت مسلمان ہوگئے۔

حضرت عمر کی شہادت

مدینہ منورہ میں فیروز نامی ایک پارسی غلام تھا۔ جس کی کنیت ابو لولو تھی۔ اس نے ایک دن حضرت عمر سے آ کر شکایت کی کہ میرے آقا مغیرہ بن شعبہ نے مجھ پر بھاری محصول لگا رکھا ہے۔ آپ کم کرا دیجیے۔ حضرت عمر نے تعداد

پوچھی اس نے کہا دو درہم روزانہ جو سات آنے کے قریب ہوتا ہے۔ آپ نے پوچھا کون سا پیشہ کرتے ہو۔ اس نے کہا بڑھئی، لوہاری، نقاشی کا۔ فرمایا کہ ان صنعتوں کے مقابلہ میں یہ رقم بہت نہیں ہے۔ فیروز دل میں سخت ناراض ہوا۔

دوسرے دن جب حضرت عمر نماز کے لیے نکلے تو فیروز خنجر لے کر مسجد میں آیا۔ جوں ہی آپ نے نماز شروع کی فیروز نے نکل کر چھ وار خنجر کے آپ پر کیے۔ آپ نے فوراً عبد الرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے۔ عبد الرحمن نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمر تڑپ رہے تھے۔

فیروز نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا۔ آخر میں پکڑا گیا۔ مگر اس نے خود کشی کر لی۔ حضرت عمر کو لوگ اٹھا کر گھر لائے۔ آپ نے پوچھا میرا قاتل کون تھا۔ لوگوں نے کہا فیروز۔ آپ نے فرمایا الحمد للہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا جو اسلام کا دعویٰ کرتا ہو۔

آپ نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو بلایا اور کہا کہ حضرت عائشہ کے پاس جاؤ اور کہو کہ عمر آپ سے اجازت چاہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ حضرت عبد اللہ حاضر ہوئے تو حضرت عائشہ رو رہی تھیں۔ پیغام پہنچایا تو فرمایا کہ یہ جگہ تو میں نے اپنے لیے رکھی تھی لیکن اب میں عمر کو اپنے پر ترجیح دیتی ہوں۔ آپ نے سنا تو خوش ہوئے۔

لوگوں نے خلافت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ ان چھ شخصوں سے جس کو چاہنا مقرر کر لینا۔ حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبد الرحمن بن عوف۔ (رضی اللہ عنہم)

اس کے بعد آپ نے خلیفہ کے لیے کچھ وصیتیں کیں اور اپنے ذاتی قرض وغیرہ کی وصیت فرمائی۔ زخم کے تیسرے دن پہلی محرم 24ھ کو انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت صہیب نے نماز پڑھائی اور اپنے آقا محبوب رب العالمین کے پہلو میں دفن ہوئے۔

فاروقی کارنامے

حضرت عمر کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ بائیس لاکھ پانچ ہزار ایک سو تیس میل مربع تھا۔ اس میں شام، مصر، عراق عرب، عراق عجم، جزیرہ، خوزستان، آذربائیجان، فارس، کرمان، خراسان، مکران کچھ بلوچستان کا شامل تھا۔ یہ سب ممالک دس سال کے عرصہ میں فتح ہوئے اور کہیں کوئی ظلم نہیں کیا گیا۔ عورتوں اور بچوں سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔

حضور ﷺ کی تعلیم کی وجہ سے مسلمانوں میں جوش، ہمت، استقلال، دلیری جو پیدا ہو گئی تھی وہ اس وقت تک باقی تھی۔ اس لیے اور حضرت عمر کی حسن تدبیروں سے اس قدر فتوحات ہوئیں۔ اور چونکہ مسلمانوں میں راستی، دیانت داری تھی۔ اس لیے جو ملک فتح ہو جاتے وہاں کی رعایا ایسی گرویدہ ہو جاتی تھی کہ یہ نہ چاہتی تھی کہ ان کی سلطنت جاتی رہے۔

نظامِ حکومت

آپ نے ایک مجلس میں مہاجرین صحابہ کی قائم کی تھی جس سے چھوٹے چھوٹے معاملات میں مشورہ لیا جاتا تھا۔ ایک اور مجلس مہاجرین اور انصار کی تھی جس میں بڑے بڑے معاملات پیش ہوتے تھے۔ جب کوئی بہت اہم معاملات پیش ہوتے تھے تو عام مجلس ہوتی تھی جس میں مہاجرین اور انصار کے ہر قبیلہ کے سردار شریک ہوتے تھے۔

آپ نے ملک عرب کو آٹھ حصوں پر تقسیم کیا تھا۔ مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین اور ایران کو 3 حصوں میں خراسان، آذربائیجان، فارس اور ہر صوبہ میں حاکم صوبہ، میر منشی، حاکم خراج، یعنی کلکٹر، افسر پولیس، افسر خزانہ، قاضی یعنی جج مقرر کیا۔

آپ جب کسی کو صوبہ کا حاکم کر کے بھیجتے تھے تو ان سے یہ عہد لیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوں۔ باریک کپڑے نہ پہنیں چھنا ہوا ہوا آٹا نہ کھائیں۔ دروازے پر دربان نہ رکھیں۔ اہل حاجت کے لیے ہمیشہ دروازہ کھلا رکھیں۔ اور خود اکثر اس کی جانچ فرماتے تھے کہ اس کی پابندی کرتے ہیں یا نہیں۔

حضرت عمر خود اخلاق اسلامی کے مجسم نمونہ تھے اور چاہتے تھے کہ تمام مسلمان اخلاقِ اسلامی کے پابند رہیں اس لیے حکام اور عام مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی نگرانی فرماتے تھے۔ عرب جیسی سخت قوم سے فخر و غرور کی تمام علامتیں آپ نے مٹا دیں۔ یہاں تک کہ آقا اور نوکر کی تمیز بالکل اٹھا دی۔ اشعار میں ہجو کہنے کو آپ نے حکماً بند کر دیا۔ آوارگی، شراب خوری کی سزا سخت کر دی کہ لوگوں کو اس کی ہمت نہ پڑے۔

آپ نے پولیس کا محکمہ قائم کیا۔ جس کا یہ کام تھا کہ یہ دیکھے کہ دوکاندار ناپ تول میں کمی نہ کریں۔ شاہ راہ پر کوئی شخص مکان نہ بنائے۔ جانور پر زیادہ نہ لادا جائے۔ شراب علانیہ نہ بکنے پائے اور لوگوں کے امن کا خیال رکھا جائے۔

آپ نے جیل خانے بنوائے اور جلا وطنی کی سزا بھی سب سے پہلے آپ نے دی۔ بیت المال (خزانہ) کی بنیاد آپ نے ڈالی۔ اور حساب و کتاب کے لیے مختلف رجسٹر بنوائے۔ سن ہجری آپ نے ایجاد کیا۔ تعمیرات کا محکمہ بھی آپ نے قائم کیا۔ اس سے حکام کے رہنے کے مکانات، مسجدیں، پل، سڑک، قلعے، مہمان خانے، بیت المال کی عمارتیں تعمیر ہوتی تھیں۔ مدینہ سے مکہ تک سڑک ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور چشمے

تیار کرائے۔ ترقی زراعت کے لیے نہریں کھدوائی گئیں۔

حضرت عمر نے حسب ذیل شہر بسائے

بصرہ یہ پہلے چھوٹا سا شہر تھا۔ اب بہت برا شہر ہوگیا۔ دجلہ سے جو یہاں سے دس میل کے فاصلہ پر تھا۔ ایک نہر لائی گئی۔ عربی علم نحو کی بنیاد یہیں پڑی۔ اس علم کے امام سیبویہ کی تعلیم یہیں ہوئی۔ ائمہ مجتہدین سے حسن بصری یہیں پیدا ہوئے۔ علم لغت کی پہلی کتاب العین کو خلیل بصری نے یہیں لکھا۔

کوفہ۔ یہ دریائے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ شہر پہلے چالیس ہزار آدمیوں سے آباد کیا گیا۔ اور ایک جامع مسجد بنائی گئی جس میں چالیس ہزار آدمی بآسانی نماز پڑھ سکیں۔ مسجد سے دو سو ہاتھ کے فاصلہ پر حاکم کے رہنے کے لیے مکان اور خزانہ کی عمارت بنائی گئی۔ اور ایک مہمان خانہ بنایا گیا جس میں باہر کے مسافروں کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔ جامع مسجد کے علاوہ کئی چھوٹی چھوٹی مسجدیں بنائی گئیں۔ ابو الاسود دُئلی نے پہلی نحو کی کتاب یہیں لکھی۔ حضرت امام ابو حنیفہ اسی خاک سے پیدا ہوئے۔ حدیث اور فقہ کے بڑے بڑے عالم یہاں گزرے ہیں۔

ان کے علاوہ **فسطاط** اسکندریہ کے قریب آباد کیا۔ جس میں 40 ہزار اہل عرب آباد ہوئے۔ ان میں بکثرت مسجدیں اور سڑکیں تھیں۔ **موصل** پہلے ایک گاؤں تھا۔ حضرت عمر نے بڑا شہر بنا دیا۔ اس میں ایک بڑی جامع مسجد بھی بنوائی۔ **جیزہ** یہاں حضرت عمر نے ایک قلعہ بنوایا اس وقت سے اس کی آبادی بڑھنے لگی۔

فوجی انتظامات

حضرت عمر کی خواہش یہ تھی کہ تمام ملک فوج ہو جائے۔ اس کی ابتدا یوں کی کہ پہلے قریش اور انصار سے شروع کیا۔ پھر ان میں سے آنحضرت ﷺ کے قرابت داروں کو سب سے پہلے لیا۔ پھر جس قدر آپ سے قرابت میں دور ہوتے گئے ان کے نام آخر میں رکھتے گئے۔ یہ سب تنخواہ دار تھے اور تنخواہوں کی زیادتی اور کمی کا یہ حساب رکھا تھا کہ سب سے زائد تنخواہ اہل بدر کی پھر اہل اُحد اور مہاجرین حبش کی۔ پھر فتح مکہ سے پہلے کے مہاجرین کی۔ پھر جو لوگ فتح مکہ وقت ایمان لائے۔ پھر جو لوگ جنگِ قادسیہ و یرموک میں شریک تھے۔ پھر اہل ایمن، پھر قادسیہ و یرموک کے بعد کے مجاہدین کی۔ پھر بلا امتیاز مراتب ان کے بیوی بچوں کو بھی گزارے مقرر ہوئے اور ان کے غلاموں کی بھی تنخواہیں مقرر کی گئیں۔

ان میں دو قسم کے آدمی تھے۔ ایک وہ جو ہر وقت لڑنے میں مصروف رہتے تھے۔ دوسرے وہ جو ضرورت کے وقت بُلائے جاتے تھے۔

فوجوں کے رہنے کے لیے آپ نے بارکیں بنوائیں۔ گھوڑوں کے اصطبل بنوائے۔ جن میں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت معہ ساز و سامان رہتے تھے۔ فوج کا باقاعدہ دفتر تھا۔ رسد کے لیے غلہ بکثرت مہیّا رہتا تھا۔ ہر جگہ دورہ کر کے خود دیکھتے بھی تھے۔ تاکہ کسی انتظام میں فرق نہ آئے۔

آپ کا فوجی انتظام اس طرح بڑھ گیا تھا کہ تقریباً دس لاکھ آدمی ہتھیار بند تھے اور سب اس قدر خوش تھے کہ مرنے مارنے کو تیار رہتے تھے۔

حضرت عمر کے انتظام میں جس قدر کمی ہوتی گئی عربوں میں کمزوری آتی گئی۔ امیر معاویہ نے شیر خوار بچوں کی تنخواہیں بند کر دیں۔ عبد الملک بن مروان نے اور بھی کمی کی۔ معتصم باللہ نے فوجی دفتر سے عربوں کے نام نکال دیئے۔

فوج کے سپاہیوں کو تیرنے ، گھوڑے دوڑانے ، تیر لگانے ، ننگے پاؤں چلنے کی سخت تاکید تھی اور یہ تاکید تھی کہ رکاب کے سہارے نہ چڑھیں، نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ کھانا نہ چھوڑیں، حمام میں نہ نہائیں۔

فوج کی ترتیب میں مقدمہ ، قلب ، میمنہ ، میسرہ ، ساقہ ، طلیعہ وغیرہ آپ ہی نے قائم کیا۔ آپ نے عجمی ، یونانی ، رومی ، بہادروں کو بھی فوج میں داخل کیا جنہوں نے نہایت بہادری سے عربوں کے ساتھ کام کیا۔

مذہبی خدمات

آپ نے تبلیغ اسلام کی مگر تلوار کے زور سے نہیں ، بلکہ اخلاقی اثر سے ۔ آپ جس ملک پر فوجیں بھیجتے تاکید فرماتے کہ پہلے لوگوں کو اسلامی ترغیب دلائی جائے اور اسلام کے اصول اور عقائد سمجھائے جائیں اور آپ فوج کا افسر ہمیشہ عالم اور فقیہ کو مقرر فرماتے تھے۔

آپ نے اپنی تربیت سے تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنا دیا تھا۔ اسلامی فوجیں جس ملک میں جاتیں لوگوں کو ان کے دیکھنے کا شوق ہوتا تھا۔ جب لوگ آکر ان سے ملتے دیکھتے کہ ہر مسلمان سچائی، سادگی، پاکیزگی، جوش اور اخلاص کا سچا نمونہ نظر آتا ہے۔ یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دلوں کو کھینچتی تھیں اور اسلام ان میں گھر کر جاتا تھا فوج کے بڑے بڑے افسر اور کبھی دو ہزار کی جماعت افسر اور فوج سب اسی اخلاق کی وجہ سے مسلمان ہوئے۔

حیرت انگیز فتوحات اسلامی سے بھی لوگوں میں یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ ان کے ساتھ تائید آسانی ضرور ہے۔

اس کے علاوہ بڑے بڑے علماء عیسائیوں کے اور بڑے بڑے رئیس مسلمان ہوئے۔ ان کا اثر بھی پڑا جس سے ان کے متبعین مسلمان ہو گئے۔ مثلاً جلولا فتح ہوا تو بڑے بڑے رئیس اور

نواب اپنی خوشی سے مسلمان ہوگئے۔ رئیسوں کے مسلمان ہونے سے ان کی رعایا میں خود بخود اسلام پھیل گیا۔ قادسیہ کے فتح کے بعد چار ہزار شاہی رسالہ کی فوج سب مسلمان ہوگئی۔ مصر میں اسلام نہایت جلد پھیلا اور وہاں کے لوگ بکثرت مسلمان ہوئے۔

قرآن مجید کی جمع و ترتیب و حفاظت

قرآن مجید حضرت ابو بکر کے زمانہ میں آپ کے بار بار اصرار سے ترتیب دیا گیا۔ آپ نے تمام ممالک مفتوحہ میں قرآن مجید کا درس جاری کیا۔ معلم اور قاری مقرر کیے۔ معلموں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ بدؤں کے لیے قرآن مجید کی جبری تعلیم کی۔ ان کا امتحان لیا جاتا۔ اگر یاد نہ ہوتا تو سزا دی جاتی۔

صحابہ میں پانچ بزرگ تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے زمانہ ہی میں پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔ معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت، ابی بن کعب، ابو ایوب، ابو الدرداء۔ ان میں ابی بن کعب، سید القراء تھے۔ حضرت عمر نے ان سب سے کہا کہ مختلف ممالک میں جا کر تعلیم دیں۔ دو صاحب ضعف اور بیماری کی وجہ سے جا نہ سکے اور 3 صاحب معاذ، عبادہ، ابو الدرداء حمص بھیجے گئے۔ جب وہاں خوب تعلیم پھیل گئی تو عبادہ نے وہیں قیام فرمایا اور ابو الدرداء دمشق گئے اور معاذ بن جبل فلسطین۔ معاذ بن جبل نے طاعون عمواس میں وفات پائی۔ ابو الدرداء برابر تعلیم دیتے رہے۔ یہاں تک کہ ہزاروں کی تعداد میں حفاظ ہو گئے اور ناظرہ خواں کا تو کچھ شمار نہ تھا۔

حدیث اور فقہ کی تعلیم اور اشاعت

آپ نے حدیث کی اشاعت میں نہایت کوشش کی مگر اس میں یہ احتیاط تھی کہ بجز مخصوص صحابہ کے عام طور پر حدیث کی روایت کی آپ اجازت نہ دیتے تھے۔

مسائل فقہ کی اشاعت کی آپ نے بڑی کشش فرمائی خود صحابہ کو جمع فرما کر تعلیم دیتے۔ خطبہ جمعہ میں مسائل بیان فرماتے سفر میں آپ جو خطبے پڑھتے اس میں بھی مسائل بیان فرماتے۔ وقتاً فوقتاً عمال افسروں کو مذہبی احکام اور مسائل لکھ کر بھیجتے۔

12ھ میں نماز تراویح جماعت کے ساتھ مسجد نبوی میں قائم کی تو تمام افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

عملی انتظام

ہر شہر اور ہر قصبہ کی مسجدوں کے لیے آپ نے امام اور مؤذن تنخواہ دار مقرر کیے۔ تنخواہ بیت المال سے دی جاتی تھی اور مسجد نبوی میں صفوں کے درست کرنے کے لیے لوگوں کو مقرر کیا۔ حج کے زمانہ میں مقام منیٰ میں حاجیوں کو عقبہ کے پاس پہنچانے کے لیے لوگ مقرر کیے۔

اپنے زمانہ خلافت میں امیر حاج خود ہوتے تھے۔ اور حاجیوں کی خود خدمت فرماتے تھے۔ تمام ممالک مفتوحہ میں بکثرت مسجدیں تیار کرائیں۔ آپ نے اپنے زمانہ میں تقریباً چار ہزار مسجدیں بنوائیں۔

آپ نے بیت اللہ کے حرم شریف کی عمارت کو وسعت دی اور خانہ کعبہ پر مصر کا بنا ہوا نہایت نفیس غلاف چڑھایا۔ مسجد نبوی کو بھی آپ نے نہایت وسعت اور رونق دی اور آپ کی اجازت سے مسجد نبوی میں چراغ روشن کیے گئے اور خوشبو اور بخور کا بھی انتظام کیا گیا۔ مسجد نبوی میں فرش کا بھی انتظام آپ نے فرمایا۔

ذمیوں کے حقوق

حضرت عمر نے عیسائیوں یہودیوں کے ساتھ جس طرح کا برتاؤ کیا ہے کسی سلطنت نے غیر مذہب کی رعایا کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا۔ عیسائیوں کی جان اور مال اور مذہب کی حفاظت اسی طرح فرماتے تھے جیسی مسلمانوں کی۔ آپ کے فرامین میں یہ تصریح ہے کہ گرجے اور چرچ نہ توڑے جائیں گے۔ نہ ان کی عمارت کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کے احاطوں میں کسی طرح کی دست اندازی کی جائے گی۔ چونکہ عیسائی یہودیوں کو حضرت عیسیٰ کا دشمن سمجھتے تھے اس لیے ان کی خاطر سے یہودیوں کو حکم دیا گیا کہ بیت المقدس میں نہ آئیں۔ یونانی مسلمانوں سے لڑے تھے اور حقیقت میں وہی مسلمانوں کے دشمن تھے پھر بھی ان کے لیے یہ رعایتیں تھیں کہ بیت المقدس میں رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں اور جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں۔ اور یہ بھی کہہ دیا گیا کہ باوجود نکل جانے کے ان کے گرجاؤں اور معبدوں سے کچھ تعرض نہ کیا جائے۔

ذمیوں کی جان اور مال کی حفاظت اسی طرح کی جاتی تھی جس طرح ایک مسلمان کی۔ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تھا تو اس کے عوض میں وہ مسلمان قتل کیا جاتا تھا۔ ممالک مفتوحہ کے ذمیوں کے پاس جس قدر زمینیں تھیں وہ اسی طرح ان کے قبضہ میں بحال رکھی گئیں۔ ضبط نہیں کی گئیں۔ بلکہ مسلمانوں کو ان زمینوں کا خریدنا ناجائز کر دیا گیا۔ ان زمینوں پر مالگذاری نہایت کم لگائی گئی۔ باوجود اس کے ہر سال جب ملک کا خراج آتا تو دس دس ذمی کوفہ اور بصرہ سے طلب کیے جاتے اور ان سے چار پانچ دفعہ قسم لیتے کہ مالگذاری وصول کرنے میں کوئی سختی تو نہیں کی گئی اور جمع سخت تو نہیں ہے۔

جس وقت آپ نے عراق کا بندوبست کیا تو عجمی رئیسوں کو مدینہ میں بلا کر مالگذاری کے بابت مشورہ لیا۔ اور مصر میں مقوقس سے اکثر رائے لی جاتی تھی۔ عمال کو فرامین میں ہمیشہ تاکید لکھتے تھے کہ کوئی مسلمان کسی ذمی پر ظلم نہ کرنے پائے۔

مذہبی امور میں ذمیوں کو پوری آزادی حاصل تھی۔ وہ ہر قسم کے مذہبی رسوم ادا کرتے تھے۔ علانیہ ناقوس بجاتے تھے۔ صلیب نکالتے تھے۔ ہر قسم کے میلے کرتے تھے۔ ان کے مذہبی پیشواؤں کو جو مذہبی اختیارات حاصل تھے بالکل برقرار رکھے گئے تھے۔

حضرت عمر اگرچہ اسلام کی اشاعت کی بہت کوشش فرماتے تھے اور منصب خلافت کے لحاظ سے ان کا یہ فرض بھی تھا۔ لیکن یہ کوشش صرف وعظ و نصیحت کے ذریعہ سے تھی اور آپ ہمیشہ یہ فرما دیا کرتے تھے کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کا ایک عیسائی غلام تھا۔ اس کو آپ ہمیشہ مذہبِ اسلام کی طرف رغبت دلاتے مگر جب اس نے انکار کیا تو آپ نے فرمایا کہ دین میں جبر نہیں ہے۔

ضعیف اور اپاہج مسلمان کو مذہب جس طرح بیت المال سے وظیفہ دیا جاتا اسی طرح کی رعایت ذمیوں کے ساتھ بھی ہوتی تھی۔ ذمیوں کی عزت و آبرو کی اسی طرح حفاظت فرماتے تھے جس طرح ایک مسلمان کی عزت کی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی ذمی کسی قسم کی سازش یا بغاوت بھی کرتا تھا تو اس کو ذلیل نہ کرتے تھے۔ ان رعایتوں سے ذمی ایسے خوش تھے کہ اپنی قوم کے مقابلہ میں مسلمانوں کے لیے رسد بہم پہنچانے لشکر گاہ میں بازار لگاتے۔ اپنے اہتمام سے سڑک اور پل تیار کراتے جاسوسی اور خبر رسانی کرتے۔ ان کا راز مسلمانوں سے کہتے۔

آپ نے لباس کی بابت یہ حکم دیا تھا کہ ذمہ اپنے لباس پر رہیں مسلمانوں کا لباس نہ پہنیں تاکہ تشابہ نہ پیدا ہوا اور صلیب کی بابت یہ حکم تھا کہ مسلمانوں کے جلسہ میں صلیب نہ نکالیں۔ ناقوس کے بابت یہ فرمان تھا کہ صرف نماز کے اوقات میں نہ بجائیں اور جس وقت چاہیں بجائیں اور سور کے بابت یہ حکم تھا کہ مسلمانوں کے احاطہ میں نہ لے جائیں۔ ان چیزوں میں بھی ان کو کافی آزادی حاصل تھی۔

نابالغ بچے جن کے باپ مسلمان ہو چکے ہوں ان کے بابت یہ حکم تھا کہ ان کو عیسائی نہ بنائیں۔ اس لیے کہ جب باپ نے اسلام قبول کیا تو بچے مسلمان ہی سمجھے جائیں گے۔ بعدِ بلوغ ان کو اختیار ہو گا کہ جو مذہب چاہیں اختیار کریں۔

آپ نے جن یہودیوں یا عیسائیوں کو وطن سے نکالا تو صرف اس وجہ سے نکالا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف سازش کرتے تھے۔ ان سے لڑنے کی تیاریاں کرتے تھے۔ اس کے روکنے کی تدبیریں کی گئیں۔ جب کسی طرح باز نہ آئے تو وطن سے نکالے گئے۔ مگر ساتھ اس کے ان کو حکم دیا گیا کہ اپنا مال اور اسباب سب لے جائیں۔ زمین اور باغات کی ان کو قیمت بیت المال سے دلوادی گئی، ضبط نہیں کی گئی۔

جن ذمیوں سے کبھی فوجی خدمت لی جاتی تھی ان کا جزیہ معاف کر دیا جاتا تھا۔

آپ کا عدل و انصاف

آپ موافق مخالف کسی پر ظلم اور سختی نہیں کرتے تھے۔ باغیوں کے ساتھ بھی آپ نے کبھی بے جا سختی جائز نہیں رکھی۔ جن کو بغاوت کی وجہ سے جلا وطن کیا ان کو تمام مال و اسباب لے جانے کی اجازت دی۔ زمین کی قیمت دلوادی اور عاملوں کو لکھ دیا کہ راہ میں ان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ ان کے آرام کا سامان بہم پہنچایا جائے۔ اور جس جگہ مستقل قیام کریں۔ چوبیس مہینہ تک ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔

مساوات کا اتنا خیال تھا کہ جبلہ غسانی شام کا بادشاہ مسلمان ہو گیا تھا۔ کعبہ کے طواف میں اس کی چادر کا گوشہ ایک شخص کے پاؤں تلے آ گیا جبلہ نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔ اس نے بھی برابر کا جواب دیا۔ جبلہ نے غصہ میں حضرت عمر کے پاس آکر شکایت کی۔ آپ نے فرمایا تم نے جو کیا اس کی سزا پائی۔ اس نے کہا ہمارا وہ رتبہ ہے کہ اگر کوئی ہمارے ساتھ گستاخی کرے تو قتل کا مستحق ہو۔ آپ نے فرمایا کہ جاہلیت میں ایسا تھا لیکن اسلام نے سب کو ایک کر دیا۔

ایک بار تمام عہدہ دارانِ ملکی کو حج کے زمانے میں آپ نے طلب فرمایا اور مجمع عام میں کہا کہ جس کو ان لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے۔ ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ فلاں عامل نے بلا وجہ مجھے سو درے مارے۔ حضرت عمر نے فرمایا اٹھ اور اپنا بدلہ لے۔ عمر بن العاص (گورنر مصر) نے عرض کیا۔ اے امیر المومنین اس طریق عمل سے تمام عمال بے دل ہو جائیں گے۔ آپ نے فرمایا انصاف رک نہیں سکتا۔ پھر عمر بن العاص نے مستغیث کو دو سو دینار دلوا کر راضی کیا۔

ایک دفعہ سردارانِ قریش آپ کی ملاقات کو آئے۔ حضرت بلال، حضرت عمار، حضرت صہیب بھی موجود تھے۔ یہ سب آزاد شدہ غلام تھے۔ آپ نے پہلے انہیں لوگوں کو بلایا۔ ابو سفیان جو زمانہ جاہلیت میں تمام قریش کے سردار تھے ان کو نہایت ناگوار ہوا۔ ساتھیوں سے کہا کہ خدا کی شان ہے غلاموں کو دربار میں جانے کی اجازت ملتی ہے اور ہم انتظار کر رہے ہیں۔ ایک نے ان میں سے کہا یہ شکایت اپنی ہے۔ اسلام نے ایک آواز سے سب کو بلایا جو اپنی شامت اعمال سے پیچھے پہنچے آج بھی پیچھے رہنے کے مستحق ہیں۔

جنگِ قادسیہ کے بعد جب تمام قبائل عرب اور صحابہ کی تنخواہیں مقرر کیں تو دنیاوی عزت کا آپ نے بالکل خیال نہیں کیا۔ جو پہلے اسلام لائے یا جہاد میں اچھے کام کیے یا حضور سرور عالم ﷺ سے خصوصیت رکھتے تھے ان کو دوسروں پر ترجیح دی۔ ان خصوصیات میں غلام اور آقا کا کوئی فرق نہ تھا۔ یہاں تک کہ اسامہ بن زید کی تنخواہ اپنے بیٹے سے زاید مقرر فرمائی۔

علم و فضل

اگرچہ اسلام سے پہلے عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج کم تھا مگر حضرت عمر نے اسی زمانہ میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ آپ کے خطوط اور فرامین اور خطبے اب تک کتابوں میں محفوظ ہیں۔ جن سے آپ کی قوت تحریر اور زورِ تقریر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

شاعری میں آپ کو خاص مہارت تھی۔ فصاحت اور بلاغت کا یہ حال تھا کہ ان کے بہت سے مقولے ضرب المثل ہو گئے ہیں۔ علم الانساب میں بھی آپ کو کمال تھا۔

آپ فطرۃً ذہین اور صائب الرائے واقع ہوئے تھے۔ شرعی احکام اور عقائد سے خوب واقف تھے۔ قرآن مجید کو نہایت غور اور فکر سے پڑھتے تھے۔

اخلاق و عادات

آپ دن کو خلافت کا کام کرتے۔ رات کو نفلیں پڑھتے۔ قریب صبح گھر والوں کو جگاتے۔ فجر کی نماز میں اکثر بڑی بڑی سورتیں مثلاً سورہ یوسف، سورہ حج، سورہ یونس، سورہ کہف، سورہ ہود پڑھتے۔ جن آیتوں میں خدا کی عظمت و جلال کا یا قیامت کا ذکر ہوتا تو اس سے اس قدر متاثر ہوتے کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی۔ بعض دفعہ اتنا روتے کہ آنکھیں سوج آتیں۔

نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے اور فرماتے کہ میں اس کو تمام رات کی عبادت پر ترجیح دیتا ہوں۔

مرنے سے دو برس پہلے روزے بہت رکھتے تھے۔ حج ہر سال کرتے تھے اور خود میر قافلہ ہوتے تھے۔

قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے۔ ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا۔ ایک مرتبہ ابو موسیٰ اشعری سے کہا کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ ہم لوگ اسلام لائے اور ہجرت کی اور رسول ﷺ کی خدمت میں ہر جگہ موجود رہے، اس کے بدلہ میں ہم عذاب سے بچ جائیں۔ ابو موسیٰ نے کہا کہ میں اس پر راضی نہیں ہوں، مجھے اور بہت سی امیدیں ہیں۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ ہم بے مواخذہ چھوٹ جائیں۔ آپ فرماتے تھے کہ اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ ایک آدمی کے سوا سب لوگ جنتی ہیں تب بھی مواخذے کا خوف زائل نہ ہوگا کہ شاید وہ بد قسمت آدمی میں ہی ہوں۔

زہد و قناعت

آپ کا جسم کبھی نرم اور ملائم کپڑے سے مس نہیں ہوا۔ بدن پر بارہ بارہ پیوند کا کرتہ، سر پر پھٹا عمامہ اور پاؤں میں پھٹے جوتے ہوتے تھے اور اسی حالت میں قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے ملتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے کہا کہ اب خدا نے دولت دی ہے۔ بادشاہوں کے سفراء آتے ہیں۔ آپ کو اپنے طرزِ معاشرت میں تغیر کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا افسوس! تم دنیا طلبی کی ترغیب دیتی ہو۔ اے عائشہ! تم رسول اللہ ﷺ کی اس حالت کو بھول گئیں جب تمہارے گھر میں صرف ایک کپڑا تھا۔ جس کو دن کو بچھاتے تھے اور رات کو اوڑھتے تھے۔ اے حفصہ! تم کو یاد نہیں ہے کہ ایک دفعہ تم نے فرش کو دہرا کر کے بچھا دیا تھا تو رسول اللہ ﷺ اس کی نرمی کے سبب سے رات بھر سوتے رہے۔ بلال نے اذان دی تو آنکھ کھلی۔ اس وقت آپ نے فرمایا اے حفصہ تم نے فرش کو دہرا کیوں بچھا دیا کہ میں سوتا رہ گیا۔ مجھے دنیاوی راحت سے کیا تعلق ہے۔

غذا عموماً سادہ ہوتی تھی۔ اکثر روٹی اور روغن زیتون دستر خوان پر ہوتا۔ روٹی اکثر بے چھنے آٹے کی پکتی۔

قناعت کا یہ حال تھا کہ ایام خلافت میں چند سال تک مسلمانوں کے مال سے کچھ بھی نہیں لیا۔ حالانکہ نہایت تنگی سے بسر ہوتی تھی۔ صحابہ نے جب بہت اصرار کیا تو آپ نے معمولی خوراک اور لباس کے لیے بہت قلیل رقم قبول فرمائی۔ مگر اس شرط سے کہ جب تک میری مالی حالت درست نہ ہو۔ صرف اسی وقت تک کے لیے۔ فرماتے تھے کہ میرا حق مسلمانوں کے مال میں صرف اس قدر ہے کہ جتنا یتیم کے مال میں ولی کا ہوتا ہے۔

حضرت امام حسن فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر نے جمعہ کے دن خطبہ پڑھ رہے تھے میں نے شمار کیا تو آپ کے تہہ بند پر بارہ پیوند تھے۔

عمال اور حکام اگر آپ کے پاس تحفے بھیجتے تو واپس کر دیتے اور نہایت سختی سے ان کو اس امر سے روکتے۔

آپ کی تواضع کا یہ حال تھا کہ مشکیزے بھر کر بیوہ عورتوں کے لیے پانی لے جاتے۔ مجاہدین کی بیبیوں کا بازار سے سودا خرید کر لا دیتے۔ تھک جاتے تو مسجد کے گوشہ میں لیٹ جاتے۔

بارہا سفر کا اتفاق ہوا لیکن خیمہ وغیرہ امارت کا سامان کبھی ساتھ نہیں رہا۔ درخت کا سایہ شامیانہ اور فرش خاک بستر تھا۔

ایک دن صدقہ کے اونٹوں کے بدن پر تیل مل رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا امیر المومنین! یہ کام کسی غلام سے لیا ہوتا۔ آپ نے فرمایا مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے جو مسلمانوں کا والی ہے وہ ان کا غلام ہے۔

جنگ سے قاصد آتا تو فوج والوں کے خطوط خود ان کے گھروں پر پہنچا آتے اور جس گھر میں کوئی لکھا پڑھا آدمی نہ ہوتا تو خود ہی چوکھٹ پر بیٹھ جاتے اور گھر والے جو لکھاتے لکھ دیتے۔

راتوں کو گشت فرماتے تاکہ آپ کو عام آبادی کا حال معلوم ہو۔ ایک دفعہ گشت کرتے ہوئے مدینہ سے 3 میل کے فاصلہ پر مقام حرا پہنچے۔ دیکھا ایک عورت پکا رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں۔ پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی۔ اس نے کہا بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں۔ میں نے ان کے بہلانے کے لیے خالی ہانڈی چڑھا دی ہے۔ آپ اسی وقت مدینہ آئے۔ آٹا، گھی، گوشت اور کھجوریں لے کر چلے۔ آپ کے غلام اسلم نے عرض کیا کہ میں لیے چلتا ہوں۔ فرمایا ہاں، لیکن قیامت میں میرا بار تم نہ اٹھاؤ گے۔ آپ کو د سب سامان لے کر اس عورت کے پاس آئے۔۔ خود چولہا پھونکا۔ اس نے کھانا پکایا۔ کھنا تیار ہوا تو بچے کھا کر خوش ہوئے۔ آپ دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔

ایک بار شہر کے باہر ایک قافلہ اترا آپ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کو ساتھ لے کر تمام رات پہرا دیا۔ فرمایا مجھے چوروں کا ڈر لگا تھا۔

ایک بار آپ گشت فرما رہے تھے ایک بدو کے خیمے سے رونے کی آواز آئی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ بدو کی عورت درد زہ میں مبتلا ہے۔ آپ گھر آئے اور اپنی بی بی ام کلثوم کو ساتھ لے کر بدو کے خیمہ میں آئے۔ تھوڑی دیر میں بچہ پیدا ہوا۔ ام کلثوم نے پکار کر کہا امیر المومنین اپنے دوست کو مبارکباد کہہ دیجیے۔ بدو امیر المومنین کا لفظ سن کر چونک پڑا۔ آپ نے کہا کچھ خیال نہ کرو۔ کل میرے پاس آنا بچہ کی تنخواہ مقرر کر دوں گا۔

آپ کے فضائل و مناقب

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگلی امتوں میں صاحب الہام ہوتے تھے۔ میری امت میں اگر کوئی ایسا ہے تو حضرت عمر۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا میں نے دیکھا کہ میں ایک کنوئیں پر ہوں اس پر ایک ڈول ہے۔ میں نے اس ڈول سے جس قدر اللہ نے چاہا پانی کھینچا۔ پھر حضرت ابو بکر نے لیا اور ایک ڈول کھینچا اور ان کے کھینچنے میں ضعف تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی کمزوری کو معاف کرے۔ پھر وہ ڈول بہت بڑا (جرس کی طرح) ہو گیا اور اس کو حضرت عمر نے لیا۔ میں نے کسی مضبوط آدمی کو نہیں دیکھا کہ حضرت عمر کی طرح کھینچ سکتا ہو۔ یہاں تک کہ لوگوں نے اپنے اونٹوں کو پانی میں بٹھایا اور ان کو خوب سیراب کیا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان اور دل پر حق جاری کر دیا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے دعا فرمائی کہ اے اللہ ابو جہل یا حضرت عمر سے اسلام کو عزت دے۔ اسی صبح کو حضرت عمر حضور ﷺ کی خدمت میں آئے اور اسلام لائے اور مسجد میں علانیہ نماز پڑھی۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر نے حضرت ابو بکر کو یا خیر الناس بعد رسول اللہ (اے رسول اللہ کے بعد سب سے بہتر) کہہ کر پکارا تو حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ آپ نے مجھے خیر الناس کہہ کر پکارا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے کہ کوئی شخص جس پر آفتاب نکلا ہو حضرت عمر سے بہتر نہیں ہے۔

عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمر ہوتے۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابو بکر اور عمر جنت کے ادھیڑ لوگوں کے سردار ہیں۔ سوائے نبیوں اور رسولوں کے۔

حضرت حذیفہ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ میری زندگی کتنی ہے۔ اس لیے تم میرے بعد ابو بکر اور عمر کی پیروی کرنا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے ایک دن حضور ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کے داہنے طرف تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بائیں طرف اور حضور ﷺ دونوں کا ہاتھ پکڑے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہم اسی طرح اٹھیں گے۔

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کے دو وزیر آسمان پر ہیں اور دو زمین پر۔ میرے وزیر آسمان پر حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل ہیں اور زمین پر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر ہیں۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک شب حضور ﷺ میرے یہاں تھے۔ چاندنی نکلی تھی، تارے چھٹکے تھے، حضور ﷺ کا سر میرے زانو پر تھا۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ! کیا آپ کی امت میں سے کسی کی نیکیاں اس قدر ہوں گی جتنے آسمان کے تارے۔ آپ نے فرمایا ہاں حضرت عمر کی۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت ابو بکر کی نیکیاں ؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت عمر کی تمام نیکیاں حضرت ابو بکر کی ایک رات کے برابر ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے شیطان جب تم کو کسی راستہ میں چلتے دیکھ لیتا ہے تو اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ سے چلتا ہے۔

طٰہٰ حسین
ترجمہ: شاہ حسن عطا

امت کے لیے دل سوزی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے لیے عطیات دینے اور انہیں سکون زندگی بخشنے ہی کو کافی نہ سمجھا تھا۔ اسلام کی پوری تاریخ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر امت کی دلداری اور دلسوزی کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوا۔ آپ انہیں حتی الوسع آرام اور راحت بھی پہنچانا چاہتے تھے۔ آپ گھوڑوں اور اونٹوں تک کو خود تیار کیا کرتے تھے تاکہ بعد میں جب جہاد کا موقع آئے تو یہ چست اور تیز قسم کی سواریاں ثابت ہوں۔ آپ شام اور عراق میں اسلامی لشکروں سے جا ملنے والوں کو تیار ہونے میں مدد دیتے تھے، جو لوگ ان علاقوں میں روزی کمانے کی غرض سے جانا چاہتے تھے ان کی بھی آپ مدد کرتے تھے۔ مکہ کے حاجیوں کو بھی آپ سامانِ سفر سے لیس کرتے تھے۔ جب آپ کسی کو سواری دیتے تھے تو زادِ راہ بھی عنایت کرتے تھے۔

سورہ توبہ اور سورۃ الانفال میں مالِ غنیمت اور صدقات کے بارے میں جو آیات ہیں ان کو عملی شکل دیتے ہوئے آپ یہ سب مصارف جن کا ابھی ذکر ہوا صدقات ہی کی رقوم سے کرتے تھے۔

اسی پر بس نہ فرماتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ اور اس کے نواح میں عام لوگوں کے روز مرہ کے مسائل سے بھی واقف ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ حاجت مندوں کی حاجت براری فرماتے تھے اور اس میں رات دن لگے رہتے تھے اور حکومت کے افسروں کو بھی اس کی تاکید فرماتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہمیشہ اس بات کا خوف لگا رہتا تھا کہ مبادا ان کے احکامات کی بجا آوری عمالِ حکومت تساہل برتیں اور اس بات سے تو آپ بہت ہی ڈرتے تھے کہ کہیں دور دراز کے علاقوں میں رعیت کی ضرورتیں پوری ہونے سے رہ جائیں اور حاجت مند آپ تک نہ پہنچ سکیں اور اس طرح اللہ آپ سے باز پرس کرے آپ کہتے رہتے تھے:

"اگر فرات کے کنارے تک بھی ایک اونٹ بلا سبب ضائع ہو جائے گا تو اللہ مجھ ہی کو اس کا ذمہ دار قرار دے گا۔"

جب صدقے کے اونٹ آتے تھے ان میں کسی کے جسم پر زخم ہوتا تھا تو آپ خاص زخم پر ہاتھ رکھ کر کہا کرتے تھے:

"میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں اس اونٹ کی اس تکلیف کے بارے میں بھی مجھ سے سوال نہ کیا جائے۔"

صدقے کے اونٹوں کی آپ بہ نفس نفیس دیکھ بھال کرتے تھے۔ کسی نے آپ کو ایک دفعہ اسی عالم میں چلچلاتی دھوپ میں ایک اونٹ پر مالش کرتے ہوئے دیکھا۔ عالم یہ تھا کہ آپ کے ساتھ حضرت علی اور حضرت عثمان بھی کھڑے تھے۔ آپ حضرت علی سے کچھ کہتے جاتے تھے اور حضرت سے سن کر حضرت عثمان لکھتے جاتے تھے اور اس موقع پر حضرت علی نے حضرت عثمان سے کہا تھا کہ یہ شخص (مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ) ان ہی صفات سے ممتاز ہے جو حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام میں دیکھیں تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بنت شعیب نے یہ بیان دیا تھا:

يَٰٓأَبَتِ ٱسْتَـْٔجِرْهُ ۖ إِنَّ خَيْرَ مَنِ ٱسْتَـْٔجَرْتَ ٱلْقَوِىُّ ٱلْأَمِينُ ﴿٢٦﴾ (القصص:26)

"بابا! اس شخص کو ضرور رکھ لیجیے۔ اب تک اس سے بہتر شخص آپ کی مزدوری میں نہیں آیا ہے۔ یہ بازور اور قوی بھی ہے اور دیانت دار اور قابلِ اعتماد بھی۔"

راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مدینہ میں راتوں کو گشت لگایا۔ رات آنے کے بعد آپ ایک دفعہ تن تنہا مدینہ کا گشت لگاتے تھے اور ایک دفعہ اپنے ساتھ اپنے کسی آدمی کو ساتھ لے لیتے تھے۔ ان شب گردیوں میں بسا اوقات بڑے بڑے لطائف پیش آ جاتے تھے۔ جن سے انسان محظوظ بھی ہوتا ہے اور مرعوب بھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات کو آپ نے ایک عورت کو کہتے ہوئے سنا:

"کیا شراب پینے کی کوئی سبیل ہو سکتی ہے یا کوئی سلسلہ ایسا نکل سکتا ہے کہ میں نصر ابن حجاج تک پہنچ جاؤں!۔"

صبح ہونے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب نصر ابن حجاج کے بارے میں پوچھا تو آپ کو بتایا گیا کہ وہ "قبیلہ سُلیم کا ایک شخص ہے۔"

آپ نے اسے حاضر کیے جانے کا حکم دیا۔ اب جب آپ اسے دیکھتے ہیں تو وہ ایک خوبصورت اور جوان رعنا کی حیثیت سے سامنے تھا۔ اس کے بالوں میں بھی حُسن تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس کے بال ترشوا دیئے جائیں۔ بال کٹوا کے جب یہ شخص آیا تو اس کا حسن و جمال اور نکھر آیا۔ گویا وہی معاملہ پیش آیا جس کی طرف عسجدی کا یہ مصرع اشارہ کرتا ہے کہ

آراستن سر ز پیراستن است

اب اس شخص کو عمامہ باندھنے کا حکم ہوتا ہے لیکن (اس دور کے فیشن اور مزاق اور لباس کی رو سے) اس سے بھی اس کے بانکپن اور تیکھے پن میں اضافہ ہی ہو تا گیا، کمی نہ واقع ہوئی۔ یہ دیکھنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی کہ اس جامہ زیب شخص کو مدینہ میں بسنے نہ دیں گے۔ چنانچہ آپ فی الفور اس جوان رعنا کی جانب متوجہ ہوئے اور اسے سپاہی کی حیثیت سے بھرتی کر کے بصرہ بھجوا دیا۔

ایک رات اور اسی قسم کا دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گشت لگاتے لگاتے ایک جگہ کھڑے ہو گئے۔ یہاں چند خواتین آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ موضوع یہ تھا کہ

" مدینہ میں سب سے زیادہ حسین اور صبیح (جس میں صباحت ہو) کون شخص ہے۔"

اس پر ایک نے کہا اپنا وہ شغال (گیڈر) ہے نا ! دوسرے صبح خلافت کی جانب سے پُرسش ہوئی۔ یہ کون بزرگ ہیں جن کا لقب شغال (گیڈر) ہے۔ شغال صاحب بھی قبیلہ سُلیم کے نکلے حسن و جمال اور مردانہ بانکپن لیے ہوئے، ان کے ساتھ بھی باری باری سر منڈوانے اور پگڑی پہنوانے کا عمل ہوا، مگر حسن تھا ان کا کہ نکھرتا ہی گیا گویا (بگڑنے میں بھی زلف ان کی بنا کی !)

چنانچہ ایسے خطرناک معشوق فریب کو بھی فوجی وردی پہنا دی گئی یعنی شیشہ گری اور عشوہ طرازی کی زندگی سے نکال کے انہیں خار شگافی اور جفا طلبی کی زندگی کی طرف لایا گیا۔

روایت ہے کہ اس غریب نے جب یہ سنا کہ اب اسے سپاہی بننا پڑے گا اور مدینہ کی گلیاں اس سے چھوٹ جائیں گی تو اس نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اسے بھی وہیں بھیجا جائے جہاں اس کا پچیرا بھائی نصر بن حجاج جا چکا ہے یعنی بصرہ !

ایک رات کو ایک اور دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ اس رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہر کا اتنا حصہ دیکھا تھا کہ تقریباً شہر کے باہر نکل گئے۔ وہاں آپ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص ایک مکان کے سامنے تن تنہا بیٹھا ہوا ہے۔ البتہ اس نے اپنے سامنے ایک چراغ روشن کر رکھا ہے

اجڑے نگر میں جیسے جلے ہے چراغ ایک !

حضرت عمر اعظم اجازت لے کر اس شخص کے پاس پہنچتے ہیں پہلے اسے سلام کرتے ہیں پھر سوال فرماتے ہیں : " اتنی رات گئے تم تن تنہا یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو ؟ " ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کانوں میں گھر کے اندر سے کراہنے کی آواز آئی۔ وہ شخص جو اکیلا بیٹھا تھا اس نے بتایا کہ اس کی بیوی دردِ زہ میں مبتلا ہے اور کوئی اس کے پاس نہیں ہے اور وہ اس وقت اس کے لیے کچھ بھی تو نہیں کر سکتا۔

یہ سب سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً پلٹ آئے اور اپنے مکان پر پہنچ کر اپنی بیوی ام کلثوم سے کہا:

" تمہارے لیے ثواب کمانے کا ایک وسیلہ ہاتھ آیا ہے، بولو ! اس سے فائدہ اٹھاؤ گی ؟ " اور ام کلثوم نے جب تشریح چاہی تو " مہ و پروین " کے امیر نے کہا کہ دراصل میں ایک دکھ کی ماری عورت کی حالت دیکھ کے آرہا ہوں، اس وقت وہ تن تنہا دردِ زہ کی مصیبت میں مبتلا ہے۔ امیر المومنین کی بیوی فوراً چل پڑیں۔ اب میاں بیوی رات کی تاریکیوں میں بیابان میں پہنچ چکے تھے۔ جہاں ایک چھوٹے سے مکان میں ایک لاچار اور بے کس عورت دردِ زہ میں مبتلا تھی۔

ام کلثوم اندر گئیں، عورت کی مدد کی، اور نسوانی نگہداشت برتی۔

دُکھیا عورت کے یہاں ایک بچہ پیدا ہو چکا تھا۔ یہ خوش خبری دیتے ہوئے ام کلثوم نے اپنے شوہر سے کہا کہ بچے کے والد کو کہہ دیں کہ اسے اللہ نے ایک لڑکا عنایت فرمایا ہے۔ لیکن ام کلثوم نے اپنے شوہر کو امیر المومنین کہہ کے مخاطب کیا تھا ! اب تو باپ صاحب (جو ابھی ابھی باپ بنے تھے) گھبرائے سٹپٹائے۔

" آپ نے پہلے کیوں نہ فرمایا کہ آپ امیر المومنین ہیں ؟ " مردِ صحرا نے کہا۔

دوسرے ہی دن صبح سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مستعد اور فرض شناس حکومت نے " مردِ صحرا " کے حالات یکسر بہتر بنا دیئے تھے۔

ایک اور رات کا قصہ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو جس کا تعلق مدینہ سے تھا اور جسے آپ پہچانتے تھے، پینے پلانے کا شغل کرتے دیکھا !

دوسرے دن صبح آپ نے اس شخص کو بلا بھیجا اور فرمایا:

" تم کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شراب پینے کی ممانعت فرمائی ہے۔"

اس شخص نے سر تو اثبات میں ہلا دیا لیکن تھا منہ پھٹ کہنے لگا:

آپ کو کیسے معلوم ہوا، اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کہ پچھلی رات آپ نے خود اسے شراب پیتے دیکھا تھا تو اس آدمی نے کہا:

" مگر یہ بتایئے کہ اسی اللہ نے جس نے شراب سے روکا ہے، لوگوں کے عیوب ٹٹولنے سے نہیں روکا ہے ؟ "

اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش تھے اور اللہ سے طالب عفو ہو رہے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مسلمانوں کے ساتھ یہ سلوکِ مشفقانہ، محض مدینہ تک محدود نہ تھا۔ بلکہ اس کی لپیٹ میں نزدیک اور دور، سب جگہ کے لوگ آتے تھے۔ باہر کے علاقوں سے جہاں کہیں کوئی شخص مدینہ پہنچتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے عام لوگوں کے مسائل اور مصائب کے بارے میں ضرور دریافت فرماتے

تھے۔ یہی نہیں کہ آپ کو صرف یہ فکر ستاتی تھی کہ مسلمانوں کی زندگی جوں توں گزر جائے، آپ مسلمانوں کے مستقبل، ان کی اُخروی فلاح تک کی فکر میں غلطاں رہتے تھے۔

خالد بن عرفطہ نامی ایک شخص ایک بار عراق سے آئے ان کو دیکھتے ہی امیر المومنین نے پوچھا کہ وہاں کے لوگوں کا کیا حال ہے۔

"سب آپ کو درازیِ عمر کی دعا دیتے ہیں امیر المومنین! اور یہ تمنا کرتے ہیں کہ خود ان کی عمروں میں سے کچھ حصہ آپ کی عمر میں شامل ہو جائے۔" خالد بولے

قادسیہ کی جنگ میں جس مجاہد نے برائے نام بھی شرکت کرلی تھی اسے دو ہزار یا ڈیڑھ، ڈیڑھ ہزار عطا ہوئے ہیں۔ اسی طرح ہر بچے اور ہر بچی کے لیے سو درہم ماہوار اور دو جریب الگ بندھے ہوئے ہیں۔ بالغ مردوں کو بھی پانچ چھ سو مل جاتے ہیں، اب جب ایک شخص کو اتنا اتنا مل جاتا ہے اور اس کے مصارف بھی کچھ ایسے سنگین نہیں ہوتے مثلاً بعض گھرانوں میں تو کھانے والے بہت ہی کم ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں فضول خرچی اور اسراف کے بھی امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔

خالد کی یہ سب باتیں سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"کوئی مضائقہ نہیں یہ سب لوگوں کا حق ہی تو ہے جو انہیں ملتا ہے۔ دراصل مدد دینے والا پروردگار ہے۔ اور مجھے لینے سے زیادہ عطا کرنے اور بخشنے میں لذت ملتی ہے اور ضروری نہیں کہ اس پر مجھے مستحق ثناء ٹھہرایا جائے۔ ممکن ہے اگر یہ سب دولت میرے والد خطاب کی ہوتی تو میں ایسا بے دریغ نہ صرف کرتا۔ پھر جب فلاحِ مملکت کے لیے صرف کرنے کے لیے رقوم موجود ہیں تو انہیں روکے رکھنے سے کیا حاصل۔

ان لوگوں کو چاہیے کہ جب انہیں ان کے سرکاری عطیے ملیں تو مثلاً کچھ بھیڑیں خرید لیں، ان کی پرورش کریں، پھر مزید عطیات ملنے پر جانوروں کی مزید راسیں خرید لیں۔ یوں ان لوگوں کے پاس کچھ سرمایہ اکٹھا ہوتا جائے گا۔ بہت ممکن ہے میرے بعد جو حکمران آئیں وہ اس نظام کو قائم نہ رکھیں۔ اب ایسی صورت میں یہی سرمایہ ان غریبوں کے کام آئے گا اور اس کی بنیاد پر لوگ زندگی کاٹ سکتے ہیں۔

اور اے خالد یہ جو کچھ میں تم سے، کہ تم میرے روبرو بیٹھے ہو کہہ رہا ہوں اس کا مخاطب میں اس شخص کو بھی سمجھ رہا ہوں جو اسلام کی قلمرو کے آخری سرے پر بیٹھا ہوا ہے اور یہ اس لیے کہ میں سے مطلقاً اپنی ذمہ داری گردانتا ہوں۔ اور میرے سردار کا فرمان ہے:

"جو حکمران اپنی رعایا کی خبر گیری سے غافل رہتا ہے اسے فردوس کی بُو تک نہیں نصیب ہو پاتی۔"

نزدیک اور دور رہنے والوں کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ عدل گستری اور ان کے فلاح و صلاح اور بہبودِ مطلق کے لیے یہ تڑپ اور یہ دلسوزی یہ سب اس پیمان وفا کے مظاہر تھے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تدفین کے بعد آپ نے اپنی پہلی اور افتتاحی تقریر میں کیا تھا۔ اس تاریخی تقریر میں آپ نے فرمایا تھا کہ مسلمانوں کے جو مسائل کہ بالکل سامنے موجود ہوں گے اور جن کا حل مرکز ہی میں ممکن ہو گا انہیں اور ان میں سے ایک ایک کو، آپ خود ہی حل کریں گے، البتہ وہ مسائل جنہیں آپ بنفس نفیس نہیں حل کر سکتے، ان کے لیے آپ متدین، امانت دار اور قابل افسران مقرر کر دیں گے اور ان احکام میں سے جو لوگ احکامات کی بجا آوری اور مملکت کی فلاح میں تساہل برتیں گے، ان کے خلاف سخت تادیبی کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔

خلافت کے پورے دور میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وعدے سے نہیں پھرے!

ایک بار ایسا ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک عامل کو لوگوں کے سرکاری عطیات انہیں دے دینے کے لیے لکھ بھیجا۔ عامل نے تعمیلِ حکم کے بعد لکھا:

"عطیات دینے دلانے کے بعد بھی بچ رہے ہیں۔" اس پر پیکر عدل و مروّت نے عامل کو یہ پھر لکھا:

"یہ جو کچھ بچ رہا ہے اسے بھی عوام میں بانٹ دو۔ یہ دراصل غنیمت ہے جو اللہ کی جانب سے ان لوگوں کے لیے آ گیا ہے کوئی عمر یا آلِ عمر کا مال تو نہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"میں نے خواب دیکھا میرے پاس کوئی شخص دودھ کا بھرا ہوا پیالہ لایا ہے میں نے اس کو اس قدر سیر اب ہو کر پیا ہے کہ ناخن تک تری پہنچ گئی ہے پھر بچا ہوا دودھ عمر بن خطاب کو دے دیا ہے۔ لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ اس کی تعبیر؟ فرمایا: اس کی تعبیر علم ہے۔"

(بخاری و مسلم)

علامہ شبلی نعمانی

ذمی رعایا کے حقوق

ذمی سے وہ قومیں مراد ہیں جو مسلمان نہ تھیں لیکن ممالک اسلام میں سکونت رکھتی تھیں

پارسیوں اور عیسائیوں کا برتاؤ غیر قوموں کے ساتھ

حضرت عمر نے ذمی رعایا کو جو حقوق دیئے تھے اس کا مقابلہ اگر اس زمانے کی دوسرے سلطنتوں سے کیا جائے تو کسی طرح کا تناسب نہ ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمسایہ میں جو سلطنتیں تھیں وہ روم و فارس تھیں۔ ان دونوں سلطنتوں میں غیر قوموں کے حقوق غلاموں سے بھی بدتر تھے۔ شام کے عیسائی باوجودیکہ رومیوں کے ہم مذہب تھے۔ تاہم ان کو اپنی مقبوضہ زمینوں پر کسی قسم کا مالکانہ حق حاصل نہیں تھا بلکہ وہ خود ایک قسم کی جائیداد خیال کیے جاتے تھے۔ چنانچہ زمین کے انتقال کے ساتھ وہ بھی منتقل ہو جاتے تھے۔ اور مالک سابق کو ان پر جو مالکانہ اختیارات حاصل تھے وہی قابض حال کو حاصل ہو جاتے تھے۔ یہودیوں کا حال اور بھی بدتر تھا بلکہ اس قابل نہ تھا کہ کسی حیثیت سے ان پر رعایا کا اطلاق ہو سکتا۔ کیونکہ رعایا آخر کار کچھ نہ کچھ حق رکھتی ہے اور وہ حق کے نام سے بھی محروم تھے۔ فارس میں جو عیسائی تھے ان کی حالت اور بھی زیادہ رحم کے قابل تھی۔

حضرت عمر نے جب ان ممالک کو زیر نگیں کیا تو دفعتاً وہ حالت بدل گئی۔ جو حقوق ان کو دیئے گئے، ان کے لحاظ سے گویا وہ رعایا نہیں رہے بلکہ اس قسم کا تعلق رہ گیا جیسا کہ دو برابر کے معاہدہ کرنے والوں میں ہوتا ہے۔

مختلف ممالک کی فتح کے وقت جو معاہدے لکھے گئے ہم ان کو اس مقام پر بعینہ نقل کرتے ہیں جس سے اس دعویٰ کی تصدیق ہو گی۔ اور ساتھ ہی اس بات کے موازنہ کا موقع ملے گا کہ یورپ نے اس قسم کے حقوق کبھی غیر قوم کو نہیں دیئے ہیں۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تاریخوں میں جو معاہدے منقول ہیں ان میں بعض مفصل باقی مجمل ہیں۔ کیونکہ مفصل شرائط کا بار بار اعادہ کرنا تطویل عمل کا باعث تھا۔ اس لیے اکثر معاہدوں میں کسی مفصل معاہدے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ بیت المقدس کا معاہدہ جو خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں اور ان کے الفاظ میں لکھا گیا حسب ذیل ہے۔

بیت المقدس کا معاہدہ

هذا ما اعطیٰ عبد اللّٰه عمر امیر المومنین اهل ایلیا من الامان اعطاهم امانا لانفسهم و اموالهم و لکنائسهم وصلبانهم وسقیمها بریها و سائر ملتها انه لایسکن کنائسهم و لا تهدم و لا ینقض منها و لا من حیزها و لا من صلبهم و لا کن شئی من اموالهم و لا یکرهون علی دینهم و لا یضار احد من الیهود و علی اهل ایلیأ ان یعطوا الجزیة کما یعطی اهل المدائن و علیهم ان یخرجوا منها الروم و اللصوص فمن خرج منهم فهوا من علی نفسه و ماله حتی یبلغوا ما منهم و من اقام منهم فهوا من و علیه مثل اهلا ایلیأ من الجزیة و من احب من اهل ایلیأ ان یسیر بنفسه و ماله مع الروم و یخلی بیعهم و صلبهم فانهم آمنون علی انفسهم و علی بینعهم و صلبهم حتی یبلغوا ما منهم و علی مافی هذا الکتاب عده اللّٰه و ذمة رسوله و ذمة الخلفأ و ذمة الکومنین اذا اعطو الذی علیهم من الجزیة شهد علی ذلک خالد بن الولید و عمر بن العاص و عبد الرحمان بن عوف و معاویة ابی سفیان و کتب و حضر سنه 15 هجری-[1]

"یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے اس طرح پر کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی۔ نہ وہ ڈھائے جائیں گے نہ ان کو اور نہ ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا۔ نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ایلیاً میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ ایلیاً والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں گے اور یونانیوں اور چوروں کو نکال دیں۔ ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان اور مال کو امن ہے تا آنکہ وہ اپنی جائے پناہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیاً ہی میں رہنا اختیار کرے اس کو بھی امن ہے اور اس کو جزیہ دینا ہو گا اور ایلیاً والوں میں سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں اور جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر خدا کا، رسول خدا کے خلیفہ کا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے۔ بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں۔ اس تحریر پر گواہ ہیں

[1] دیکھو تاریخ ابو جعفر جریر طبری – فتح بیت المقدس 12

خالد بن الولید اور عمرو العاص اور عبد الرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور یہ 15 ہجری میں لکھا گیا۔"

اس فرمان میں صاف تصریح ہے کہ عیسائیوں کے جان، مال اور مذہب ہر طرح سے محفوظ رہے گا اور یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کو جس قدر حقوق حاصل ہو سکتے ہیں انہی تین چیزوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ گرجے اور چرچ کی نسبت یہ تفصیل ہے کہ نہ تو وہ توڑے جائیں گے نہ ان کی عمارت کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا نہ ان کے احاطوں میں دست اندازی کی جائے گی۔ مذہبی آزادی کی نسبت دوبارہ تصریح ہے کہ لا یکرھون علی دینھم عیسائیوں کے خیال میں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے صلیب دے کر قتل کیا تھا اور یہ واقعہ خاص بیت المقدس میں پیش آیا تھا۔ اس لیے ان کی خاطر سے یہ شرط منظور کی کہ یہودی بیت المقدس میں نہ رہیں گے۔ یونانی باوجود اس کے کہ مسلمانوں سے لڑتے تھے اور درحقیقت وہی مسلمانوں کے اصلی عدو تھے۔ تاہم ان کے لیے یہ رعایتیں ملحوظ رکھیں کہ بیت المقدس میں رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں اور نکل جانا چاہیں تو نکل کر جا سکتے ہیں۔ دونوں حالتوں میں ان کو امن حاصل ہو گا۔ اور ان کے گرجاؤں اور معبدوں سے کچھ تعرض نہ کیا جائے گا۔ سب سے بڑھ کر بیت المقدس کے عیسائی اگر یہ چاہیں گے کہ وطن سے نکل کر رومیوں سے جا ملیں تو اس پر بھی کچھ تعرض نہ کیا جائے گا۔ بلکہ ان کے گرجے وغیرہ جو بیت المقدس میں ہیں محفوظ رہیں گے۔ کیا کوئی قوم مفتوحہ ملک کے ساتھ اس سے بڑھ کر منصفانہ برتاؤ کر سکتی ہے؟

سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ذمیوں کی جان و مال کو مسلمانوں کی جان و مال کے برابر قرار دیا گیا۔ کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تو حضرت عمر فوراً اس کے بدلے مسلمان کو قتل کرا دیتے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرۃ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ بھیجا کہ قاتل، مقتول کے وارثوں کو دیا جائے۔ چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا، حوالہ کیا گیا اور اس نے اس کو قتل کر ڈالا۔[2]

مال اور جائیداد کے متعلق کی حفاظت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ جس قدر زمینیں ان کے قبضے میں تھیں اسی حیثیت سے بحال رکھیں۔ جس حیثیت سے فتح سے پہلے ان کے قبضے میں تھیں۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو ان زمینوں کا خریدنا بھی ناجائز قرار دیا گیا۔

بندوبست مال گزاری میں ذمیوں کا خیال

مال گزاری جو مشخص کی گئی وہ نہایت نرم اور ہلکی پھلکی تھی۔ اس پر بھی حضرت عمر کو ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا کہ کہیں ان پر سختی تو نہیں کی گئی۔ چنانچہ مرتے مرتے بھی یہ خیال نہ گیا۔ ہر سال یہ معمول تھا کہ جب عراق کا خراج آتا تو دس شخص کوفہ اور دس شخص بصرہ سے طلب کیے جاتے تھے اور حضرت عمر ان سے چار دفعہ بتاکید قسم لیتے تھے کہ مال گزاری کے وصول کرنے میں کچھ سختی تو نہیں کی گئی ہے۔[3] وفات سے دو تین دن پہلے کا واقعہ ہے کہ افسران بندوبست کو بلایا اور تشخیص جمع کے متعلق ان سے گفتگو کی اور بار بار پوچھتے رہے کہ جمع سخت تو نہیں مقرر کی گئی۔[4]

ذمیوں سے ملکی انتظامات میں مشورہ

ایک بڑا حق جو رعایا کو حاصل ہو سکتا ہے یہ ہے کہ انتظامات ملکی میں ان کو حصہ دیا جائے۔ حضرت عمر ہمیشہ ان انتظامات میں جن کا تعلق ذمیوں سے ہوتا تھا ذمیوں کے مشورہ اور استصواب کے بغیر کام نہیں کرتے تھے۔ عراق کا بندوبست جب پیش آیا تو عجمی رئیسوں کو مدینہ میں بلا کر مال گزاری کے حالات دریافت کیے۔ مصر میں جو انتظام کیا اس میں مقوقس سے اکثر رائے لی۔[5]

جان و مال و جائیداد کے متعلق جو حقوق ذمیوں کو دیئے گئے تھے وہ صرف زبانی نہ تھے بلکہ نہایت مضبوطی کے ساتھ ان کی پابندی کی جاتی تھی۔ شام کے ایک کاشتکار نے شکایت کی کہ اہل فوج نے اس کی زراعت کو پامال کر دیا۔ حضرت عمر نے بیت المال سے 10 ہزار درہم اس کو معاوضہ میں دلوائے۔[6] اضلاع کے حکام کو تاکیدی فرمان بھیجتے تھے کہ ذمیوں پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہونے پائے۔ خود بالمشافہ لوگوں کو اس کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج باب الجزیہ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر جب شام سے واپس آ رہے تھے تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑے ہیں اور ان کے سر پر تیل ڈالا جا رہا ہے۔ لوگوں سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے جزیہ نہیں ادا کیا اس لیے ان کو سزا دی جاتی ہے۔ حضرت عمر نے دریافت کیا کہ آخر ان کا کیا عذر ہے؟ لوگوں نے کہا کہ " ناداری " فرمایا کہ چھوڑ دو، اور ان کو تکلیف نہ دو۔

---

[2] الدرایہ فی تخریج الہدایہ مطبوعہ دہلی صفحہ 360

[3] کتاب الخراج ص 65

[4] کتاب الخراج صفحہ 21 میں ہے: قال شھدت عمر بن الخطاب قبل ان یصاب بثلث او اربع واقفاً علی حذیفة بن الیمان عثمان بن حنیف و ھو یقول لھما العلکما حملتما الارض مالا تطیق

[5] مقریزی جلد اول صفحہ 74

[6] کتاب الخراج صفحہ 68

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے لا تعذبوا الناس فان الذین یعذبون الناس فی الدنیا یعذبھم اللہ یوم القیامۃ یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ "لوگوں کو تکلیف نہ دو، جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب پہنچاتے ہیں خدا قیامت میں ان کو عذاب پہنچائے گا۔"

ذمیوں کی شرائط کا ایفاٗ

حضرت ابو عبیدہ کو شام کی فتح کے بعد جو فرمان لکھا اس میں یہ الفاظ تھے۔

و امنع الکسلمین من ظلمھم و الاضراربھم و اکل اموالھم الا بحلھا و وف لھم بشرطھم الذی شرطت لھم فی جمیع ما اعطیتھم-[7]

"مسلمانوں کو منع کرنا کہ ذمیوں پر ظلم نہ کرنے پائیں، نہ ان کا مال بے وجہ کھانے پائیں اور جس قدر شرطیں تم نے ان سے کی ہیں سب وفا کرو۔"

حضرت عمر نے وفات کے قریب، خلیفہ ہونے والے شخص کے لیے ایک مفصل وصیت فرمائی تھی۔ اس وصیت نامہ کو امام بخاری، ابو بکر بیہقی، جاحظ اور بہت سے مؤرخین نے نقل کیا ہے۔ اس کا اخیر فقرہ یہ ہے۔

و اوصیہ بذمۃ اللہ و ذمۃ رسولہ ان یوفی لھم بعھدھم و ان یقاتل من ورائھم و ان لا یکلفوا فوق طاقتھم- [8]

"یعنی میں ان لوگوں کے حق میں وصیت کرتا ہوں جن کو خدا اور رسول کا ذمہ دیا گیا ہے (یعنی ذمی) کہ ان سے جو عہد ہے وہ پورا کیا جائے اور ان کی حمایت میں لڑا جائے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔"

اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر مرتے وقت بھی ذمیوں کو نہ بھولے۔

[7] کتاب الخراج صفحہ 82

[8] صحیح بخاری صفحہ 187 مطبوعہ میرٹھ

غرفہ ایک صحابی تھے، ان کے سامنے ایک عیسائی نے جناب رسول اللہ ﷺ کو گالی دی۔ غرفہ نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا۔ عیسائی نے عمرو بن العاص کے پاس جا کر شکایت کی۔ انہوں نے غرفہ کو بلا بھیجا اور باز پرس کی۔ غرفہ نے واقعہ بیان کیا۔ عمرو بن العاص نے کہ ذمیوں سے امن کا معاہدہ ہو چکا ہے۔ غرفہ نے کہا، نعوذ باللہ ان کو یہ اجازت ہرگز نہیں دی گئی کہ رسول اللہ ﷺ کو اعلانیہ گالیاں دیں۔ ان سے یہ معاہدہ ہوا ہے کہ اپنے گرجاؤں میں جو کچھ چاہیں کریں اور اگر ان پر کوئی دشمن چڑھ آئے تو ہم ان کی طرف سے سینہ سپر ہو کر لڑیں اور ان پر کوئی ایسا بار نہ ڈالا جائے جس کے وہ متحمل نہ ہوں۔ عمرو بن العاص نے کہا ہاں یہ سچ ہے۔[9] اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ذمیوں کے حفظ حقوق کا کس قدر خیال رکھا جاتا ہے۔

مذہبی امور میں آزادی

مذہبی امور میں ذمیوں کو پوری آزادی تھی۔ وہ ہر قسم کی رسوم مذہبی ادا کرتے تھے۔ علانیہ ناقوس بجاتے تھے۔ صلیب نکالتے تھے۔ ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے۔ ان کے پیشوایان مذہبی کو جو مذہبی اختیارات حاصل تھے بالکل برقرار رکھے گئے تھے۔ مصر میں اسکندریہ کا پیٹر یارک بنیامین تیرہ برس تک رومیوں کے ڈر سے ادھر ادھر مارا مارا پھرا۔ عمرو بن العاص نے جب مصر فتح کیا، تو سنہ 20 ہجری میں اس کو تحریری امان لکھ کر بھیجی۔ وہ نہایت ممنون ہو کر آیا اور پیٹر یارک کی کرسی دوبارہ اس کو نصیب ہوئی۔ چنانچہ علامہ مقریزی نے اپنی کتاب (جلد اول صفحہ 492) میں واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ معاہدات میں اور امور کے ساتھ مذہبی آزادی کا بھی حق التزام کے ساتھ درج کیا جاتا تھا۔ چنانچہ بعض معاہدات کے اصلی الفاظ ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔ حذیفہ بن الیمان نے ماہ دینار والوں کو جو تحریر لکھی تھی اس میں یہ الفاظ تھے۔

[9] اسد الغابہ تذکرہ غرفہ

لا یغیرون عن ملۃ و لا یحال بینھم و بین شرایعھم-[10]

"ان کا مذہب نہ بدلا جائے گا اور ان کے مذہبی امور میں کچھ دست اندازی نہ کی جائے گی۔"

جرجان کی فتح کے وقت یہ معاہدہ لکھا گیا۔

لھم الامان علی انفسھم و اموالھم و ملکھم و شرایعھم و لا تغیر شئی من ذلك- [11]

"ان کے جان و مال اور مذہب و شریعت کو امن ہے اور اس میں سے کسی شے میں تغیر نہ کیا جائے گا۔"

آذر بائیجان کے معاہدہ میں یہ تصریح تھی۔

الامان علی انفسھم و اموالھم و شرایعھم- [12]

"جان مال، مذہت اور شریعت کو امان ہے۔"

موقان کے معاہدہ میں یہ الفاظ تھے۔

الامان علی اموالھم و انفسھم و ملتھم و شریعھم-

"جان، مال، مذہب اور شریعت کو امان ہے۔"

حضرت عمر اسلام کے اشاعت کی اگرچہ نہایت کوشش کرتے تھے اور منصب خلافت کے لحاظ سے ان کا یہ فرض بھی تھا لیکن وہیں تک جہاں تک وعظ اور پند کے ذریعے سے ممکن

[10] طبری صفحہ 2633

[11] طبری صفحہ 2658

[12] طبری صفحہ 2662

تھا ورنہ یہ خیال وہ ہمیشہ ظاہر کر دیا کرتے تھے کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی شخص مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ استق ان کا ایک عیسائی غلام تھا، اس کو ہمیشہ اسلام قبول کرنے کی ترغیب دلاتے تھے۔ لیکن جب اس نے انکار کیا تو فرمایا لا اکراہ فی الدین یعنی مذہب میں زبردستی نہیں ہے۔[13]

مسلمانوں اور ذمیوں کی ہمسری

حقیقت یہ ہے کہ واقعات سے جو نتیجہ استنباط کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر نے ملکی حقوق کے لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں رکھی تھی۔ کوئی مسلمان اگر ذمی کو قتل کرتا تو بے دریغ اس کے قصاص میں قتل کر دیا جاتا تھا۔ مسلمان اگر کسی ذمی سے سخت کلامی کرتے تھے تو پاداش کے مستحق ہوتے تھے۔ ذمیوں سے جزیہ اور عشور کے سوا کسی قسم کا محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی۔ جس کی مقدار دونوں سے زیادہ تھی۔ اس کے سوا عشور مسلمانوں سے بھی وصول کیا جاتا۔ البتہ اس کی شرح بمقابلہ ذمیوں کے کم تھی۔ بیت المال سے والنٹیروں کو گھر بیٹھے جو تنخواہیں ملتی تھیں ذمی بھی اس میں برابر کے شریک تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ (اور درحقیقت صرف اسی ایک مثال سے اس بحث کا فیصلہ ہو سکتا ہے) کہ یہ جو قاعدہ تھا کہ جو مسلمان اپاہج اور ضعیف ہو جاتا تھا اور محنت و مزدوری سے معاش پیدا نہیں کر سکتا تھا، بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا۔ اسی قسم کی بلکہ اس سے زیادہ فیاضانہ رعایت ذمیوں کے ساتھ بھی مرعی تھی۔ اول اول یہ قاعدہ حضرت ابو بکر کے عہد میں مقرر ہوا۔ چنانچہ خالد بن الولید نے حیرۃ کی فتح میں جو معاہدہ لکھا، اس میں یہ الفاظ تھے۔

و جعلت لهم ايما شيخ ضعف عن العمل او اصابه افة من الافات او كان غنيا فافتقر و صار اهل دينه يتصدقون عليه و طرحت جزيته و عيل من بيت مال المسلمين و عياله ما اقام بدار الهجرة و دار الاسلام فان خرجوا الى غير دار الهجرة و دار الاسلام فليس على المسلمين النفقة على عيالهم -[14]

"اور میں نے ان کو یہ حق دیا کہ اگر کوئی بوڑھا شخص کام کرنے سے معذور ہو جائے یا اس پر کوئی آفت آئے یا پہلے دولت مند تھا پھر غریب ہو گیا اور اس وجہ سے اس کے ہم مذہب اس کو خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیہ موقوف کر دیا جائے گا اور اس کو اور اس کی اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال سے نفقہ دیا جائے گا جب تک وہ مسلمانوں کے ملک میں رہے لیکن اگر وہ غیر ملک میں چلا جائے تو مسلمانوں پر اس کا نفقہ واجب نہ ہو گا۔"

یہ قاعدہ حضرت عمر کے عہد میں بھی قائم رہا بلکہ حضرت عمر نے اس کو قرآن مجید کی آیت سے مستند کر دیا یعنی بیت المال کے داروغہ کو لکھ بھیجا کہ قرآن مجید کی آیت "انما الصدقات للفقراء و المساكين" (صدقہ اور خیرات فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہے) اس میں فقرا کے لفظ سے مسلمان اور مسکین کے لفظ سے اہل کتاب یہودی اور عیسائی مراد ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر نے ایک پیر کہن سال کو بھیک مانگتے دیکھا۔ پوچھا کہ بھیک کیوں مانگتا ہے؟ اس نے کہا "مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے اور مجھ کو ادا کرنے کا مقدور نہیں۔" حضرت عمر اس کو ساتھ گھر پر لائے اور کچھ نقد دے کر بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لیے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا جائے۔ اسی واقعہ میں آیت مذکورہ بالا کا حوالہ دیا، اور یہ بھی فرمایا کہ " واللہ یہ انصاف کی بات نہیں کہ ان لوگوں کی جوانی سے ہم متمتع ہوں اور بڑھاپے میں ان کو نکال دیں۔"[15]

ذمیوں کی عزت کا خیال

ذمیوں کی عزت و آبرو کا اسی قدر استحفاظ تھا جس قدر مسلمان کی عزت و ناموس کا، ان کی نسبت کسی قسم کی تحقیر کا لفظ استعمال کرنا نہایت ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا۔ عمیر بن سعد جو حمص کے حاکم تھے اور زہد و تقدس و ترک دنیا میں تمام عہدہ داران خلافت میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔ ایک دفعہ ان کے منہ سے ایک ذمی کی شان میں یہ لفظ نکل گیا۔ اخزاک اللہ یعنی خدا تجھ کو رسوا کرے۔ اس پر ان کو اس قدر ندامت اور تاسف ہوا کہ حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہو کر نوکری سے استعفیٰ دے دیا اور کہا کہ اس نوکری کی بدولت مجھ سے یہ حرکت صادر ہوئی۔[16]

سازش اور بغاوت کی حالت میں ذمیوں کے ساتھ سلوک

ایک خاص بات جو سب سے بڑھ کر لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ ذمیوں نے اگر کبھی سازش یا بغاوت کی تب بھی ان کے ساتھ مراعات کو ملحوظ رکھا۔ آج کل جن حکومتوں کو تہذیب و ترقی کا دعوی ہے۔ رعایا کے ساتھ ان کی تمام عنایت اسی وقت تک ہے جب تک ان کی طرف سے کوئی پولیٹکل شبہ نہ پیدا ہو۔ ورنہ دفعتاً وہ تمام مہربانی غضب اور قہر میں

---

[13] کنز العمال بحوالہ طبقات ابن سعد جلد پنجم صفحہ 49

[14] کتاب الخراج صفحہ 85

[15] کتاب الخراج صفحہ 72

[16] دیکھو ازالۃ الخفاء صفحہ 203

بدل جاتی ہے اور ایسا خونخوار اور پُر غیظ انتقام لیا جاتا ہے کہ وحشی قومیں بھی اس سے کچھ زیادہ نہیں کر سکتیں۔ بر خلاف اس کے حضرت عمر کا قدم کسی حالت میں جادہ انصاف سے ذرا نہیں ہٹا۔ شام کی آخری سرحد پر ایک شہر تھا جس کا نام عربسوس تھا اور جس کی سرحد ایشیائے کوچک سے ملی ہوئی تھی۔ شام جب فتح ہوا تو یہ شہر بھی فتح ہوا اور صلح کا معاہدہ ہو گیا۔ لیکن یہاں کے لوگ درپردہ رومیوں سے سازش رکھتے تھے اور ادھر کی خبریں ان کو پہنچاتے رہتے تھے۔ عمیر بن سعد وہاں کے حاکم نے حضرت عمر کو اس کی اطلاع دی۔ حضرت عمر نے ان کی اس کمینہ خصلت کا جو انتقام لیا وہ یہ تھا کہ عمیر بن سعد کو لکھا کہ جس قدر ان کی جائیداد، زمین، مویشی اور اسباب ہے سب شمار کر کے ایک ایک چیز کی دوچند قیمت دے دو، اور ان سے کہو کہ اور کہیں چلے جائیں، اگر اس پر راضی نہ ہوں تو ان کو ایک برس کی مہلت دو، اور اس کے بعد جلا وطن کر دو۔ چنانچہ جب وہ اپنی شرارت سے باز نہ آئے تو اس حکم کی تعمیل کی گئی۔[17] کیا آج کل کوئی قوم اس درگزر اور عفو و مسامحت کی کوئی نظیر دکھلا سکتی ہے؟

ذمیوں کے ساتھ جو لطف و مراعات کی گئی تھی اس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ ذمیوں نے ہر موقع پر اپنی ہم مذہب سلطنتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ ذمی ہی تھے جو مسلمانوں کے لیے رسد بہم پہنچاتے تھے۔ لشکر گاہ میں مینا بازار لگاتے تھے۔ اپنے اہتمام اور صرف سے سڑک اور پل تیار کراتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلمانوں کے لیے جاسوسی اور خبر رسانی کرتے تھے یعنی دشمنوں کے ہر قسم کے راز مسلمانوں سے آ کر کہتے تھے۔ حالانکہ یہ دشمن انہی کے ہم مذہب عیسائی یا پارسی تھے۔ ذمیوں کو مسلمانوں کے حسن سلوک کے وجہ سے جو اخلاص پیدا ہو گیا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جنگ یرموک کے پیش آنے کے وقت جب مسلمان شہر حمص سے نکلے تو یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لے کر کہا کہ "جب تک ہم زندہ ہیں کبھی رومی یہاں نہ آنے پائیں گے۔" عیسائیوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ "خدا کی قسم تم رومیوں کی بہ نسبت کہیں بڑھ کر ہم کو محبوب ہو۔"

اخیر میں ہم کو ان واقعات کی حقیقت بھی بتانا ضروری ہے جن کی وجہ سے لوگوں کو یہ غلط خیال پیدا ہوا ہے یا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر نے بلکہ خود اسلام نے ذمیوں کے ساتھ نا انصافانہ سلوک کیے۔

مخالف کی طرف سے اعتراض کی تقریر

اس مسئلے کو مخالف اس طرح بیان کر سکتا ہے کہ حضرت عمر نے ذمیوں کے حق میں یہ حکم دیا کہ وضع اور لباس وغیرہ میں کسی طرح مسلمانوں کی تشبہ نہ کرنے پائیں۔ کمر میں زنار باندھیں۔ لمبی ٹوپیاں پہنیں۔ گھوڑوں پر کاٹھی کسیں۔ نئی عبادت گاہیں نہ بنائیں، شراب اور سور نہ بیچیں، ناقوس نہ بجائیں۔ صلیب نہ نکالیں۔ بنو تغلب کو یہ بھی حکم تھا کہ اپنی اولاد کو اصطباغ نہ دینے پائیں۔ اس سب باتوں پر یہ مستزاد کہ حضرت عمر نے عرب کی وسیع آبادی میں ایک یہودی یا عیسائی کو نہ رہنے دیا اور بڑے بڑے قدیم خاندان جو سیکڑوں برس سے عرب میں آباد تھے، جلا وطن کر دیئے۔

بے شبہ، یہ اعتراضات نہایت توجہ کے قابل ہیں اور ہم ان کے جواب دینے میں کسی قدر تفصیل سے کام لیں گے۔ کیونکہ ایک زمانہ ممتد کے تعصب اور تقلید نے واقعیت کے چہرے پر بہت سے پردے ڈال دیئے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر مسلمانوں کو غیر قوموں کی مشابہت اور غیر قوموں کو مسلمانوں کی مشابہت سے روکتے تھے۔ لیکن اس سے فقط قومی خصوصیتوں کو قائم رکھنا مقصود تھا۔ لباس کی بحث میں تحقیق طلب یہ امر ہے کہ حضرت عمر نے ذمیوں کو جس لباس کی پابندی کی تاکید کی تھی، آیا وہی لباس ذمیوں کا قدیم لباس تھا یا حضرت عمر نے کوئی نیا لباس بطور علامت تحقیر کے تجویز کیا تھا۔ جس شخص نے عجم کی تاریخ پڑھی ہے وہ یقیناً جان سکتا ہے کہ جس لباس کا یہاں ذکر ہے وہ عجم کا قدیم لباس تھا۔ حضرت عمر کا معاہدہ جس کو کنز العمال وغیرہ میں نقل کیا گیا ہے اگرچہ راویوں نے اس کو بہت کچھ کم و بیش کر دیا ہے۔ تاہم جہاں ذمیوں کی طرف سے یہ اقرار مذکور ہے کہ ہم فلاں فلاں لباس نہ پہنیں گے، وہاں یہ الفاظ بھی ہیں و ان تلزم زینا حیث ما کنا[18] یعنی "ہم وہی لباس پہنیں گے جو ہمیشہ سے پہنتے آتے تھے۔" اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس لباس کا حضرت عمر نے حکم دیا تھا وہ عجم کا قدیم لباس تھا۔

زنار جس کا ذکر حضرت عمر کے فرمان میں ہے اس کی نسبت ہمارے فقہاً نے اکثر غلطیاں کی ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وہ انگلی برابر موٹا ایک قسم کا جنیو ہوتا تھا اور اس سے ذمیوں کی تحقیر مقصود تھی لیکن یہ سخت غلطی ہے۔ زنار کے معنی پٹی کے ہیں اور عرب میں یہ لفظ آج کل بھی اسی معنی میں مستعمل ہے۔ پٹی کو عربی میں منطقہ بھی کہتے ہیں اور اس لحاظ سے زنار اور منطقہ مرادف الفاظ ہیں۔ ان دونوں الفاظ کا مرادف ہونا کتب حدیث سے ثابت ہے۔ کنز العمال[19] میں بیہقی وغیرہ سے

---

[17] فتوح البلدان بلاذری صفحہ 157

[18] کنز العمال جلد 2 صفحہ 302

[19] کنز العمال جلد دوم صفحہ 320

روایت منقول ہے کہ حضرت عمر نے سرداران فوج کو یہ تحریری حکم بھیجا و تلزموهم المناطق یعنی الزنانیر اسی زنار کو کسیتج بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ جامع صغیر وغیرہ میں بجائے زنار کے کسیتج ہی لکھا ہے اور غالب یہ ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے۔ بہر حال اہل عجم قدیم سے پٹی لگاتے تھے۔ علامہ مسعودی نے کتاب التنبیہ و الاشراف[20] میں لکھا ہے کہ " عجم کی اس قدیم عادت کی وجہ میں نے کتاب مروج الذہب میں لکھی ہے۔" ایک قطعی دلیل اس بات کی کہ یہ لباس ذمیوں کا قدیم لباس تھا، یہ ہے کہ خلیفہ منصور نے اپنے دربار کے لیے جو لباس قرار دیا تھا وہ قریب قریب یہی لباس تھا۔ لمبی ٹوپیاں جو نرسل کی ہوتی تھیں۔ وہی عجم کی ٹوپیاں تھیں۔ جس کا نمونہ پارسیوں کے سروں پر آج بھی موجود ہے۔ اس درباری لباس میں پٹی بھی داخل تھی، اور یہ وہی زنار، یا منطقہ، یا کسیتج ہے جو عجم کی قدیم وضع تھی۔ منصور کے اس مجوزہ لباس کی نسبت تمام مؤرخین عرب نے تصریح کی ہے کہ یہ عجم کی تقلید تھی۔ اب یہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو لباس، حضرت عمر نے ذمیوں کے لیے قرار دیا تھا، وہ اگر کوئی جدید لباس تھا اور ان کی تحقیر کے لیے ایجاد کیا گیا تھا تو خلیفہ منصور اس کو اپنا اور اپنے دربار کا لباس کیونکر قرار دے سکتا تھا۔

صلیب اور ناقوس کی بحث

ذمیوں کو نئی عبادت گاہیں بنانے اور شراب بیچنے، صلیب نکالنے، ناقوس پھونکنے، اصطباغ دینے سے روکنا بے شبہ مذہبی دست اندازی ہے لیکن میں بیباکانہ اس راز کی پردہ دری کرتا ہوں کہ یہ احکام جن قیدوں کے ساتھ حضرت ابو بکر و حضرت عمر نے جاری کیے تھے وہ بالکل مناسب تھے لیکن زمانہ ما بعد کے مؤرخوں نے ان قیدوں کا ذکر چھوڑ دیا۔ اس وجہ سے تمام دنیا میں ایک عالمگیر غلطی پھیل گئی۔

صلیب کی نسبت معاہدے میں جو الفاظ تھے اس میں یہ قید تھی۔

و لا یرفعوا فی نادی اهل الاسلام صلباً۔[21]

"یعنی مسلمانوں کی مجلس میں صلیب نہ نکالیں۔"

ناقوس کی نسبت یہ تصریح تھی یضربوا نواقیسهم فی اي ساعة شاؤ امن لیل او نهار الا فی اوقات الصلوة۔[22] یعنی ذمی رات دن میں جس وقت چاہیں ناقوس بجائیں، بجز نماز کے اوقات کے۔ سور کی نسبت یہ الفاظ تھے۔و لا یخرجوا خنزیرا من منازلهم الي افینة المسلمین یعنی ذمی سور کو مسلمان کے احاطہ میں نہ لے جائیں۔

ان تصریحات کے بعد کس کو شبہ رہ سکتا ہے کہ صلیب نکالنا یا ناقوس بجانا عموماً منع نہ تھا بلکہ خاص حالات میں ممانعت تھی اور ان خاص حالات میں آج بھی ایسی ممانعت خلاف انصاف نہیں کہی جا سکتی۔

اصطباغ نہ دے سکنا

سب سے زیادہ قابل لحاظ امر بنی تغلب کے عیسائیوں کی اولاد کا اصطباغ نہ دینا تھا اور یہ گویا اس بات کی حفاظت ہے کہ آئندہ وہ کوئی اور مذہب قبول نہ کرنے پائے، بعینہ اس طرح جس طرح ہم مسلمانوں میں بچوں کا ختنہ کیا جاتا ہے، بے شبہ حضرت عمر کو عام طور پر اس رسم کے روکنے کا کچھ حق نہ تھا، لیکن اس زمانے میں ایک نیا سوال پیدا ہوا تھا۔ یعنی یہ کہ اگر عیسائی خاندان میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جائے اور نا بالغ اولاد چھوڑ کر مرے تو اس کی اولاد کس مذہب کے موافق پرورش پائے گی ؟ یعنی وہ مسلمان سمجھی جائے گی یا ان کے خاندان والوں کو جو عیسائی مذہب رکھتے ہیں یہ حق حاصل ہو گا کہ اس کو اصطباغ دے کر عیسائی بنا لیں۔ حضرت عمر نے اس صورت خاص کے لیے یہ قرار دیا کہ خاندان والے اس کو اصطباغ نہ دیں اور عیسائی نہ بنائیں اور یہ حکم بالکل قرین انصاف ہے۔ کیونکہ جب اس کا باپ مسلمان ہو گیا تھا تو اس کی نا بالغ اولاد بھی بظاہر مسلمان قرار پائے گی۔ علامہ طبری نے جہاں بنو تغلب کے واقعہ کا ذکر کیا ہے، شرائط صلح میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں علی ان لا ینصروا ولیداً ممن اسلم آباُهم یعنی بنو تغلب کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ جن کے باپ مسلمان ہو چکے ان کی اولاد کو عیسائی بنا سکیں۔[23] ایک اور موقع پر یہ الفاظ ہیں۔ ان لا ینصروا اولادهم اذا اسلم ابائهم۔[24]

یہاں شاید یہ اعتراض ہو کہ حضرت عمر نے ایک فرضی صورت قائم کر کے معاہدہ کو کیوں سخت کیا۔ لیکن جواب یہ ہے یہ فرضی صورت نہ تھی بلکہ بنو تغلب میں بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے، اس لیے ان کی خاص حالت کے لحاظ سے اس صورت کا ذکر ضروری تھا۔ بلکہ علامہ طبری[25] نے صاف تصریح کی ہے کہ تغلب میں سے جو لوگ اسلام لا چکے تھے خود انہی نے معاہدہ کے یہ شرائط پیش کیے تھے۔

اب ہر شخص انصاف کر سکتا ہے کہ امن عام میں خلل نہ واقع ہونے کے لیے عیسائیوں کو اگرچہ یہ حکم دیا جائے کہ وہ مسلمانوں کی

---

[20] کتاب مذکور صفحہ 107

[21] کتاب الخراج صفحہ 80

[22] کتاب الخراج صفحہ 84

[23] طبری صفحہ 2423

[24] طبری صفحہ 2510

[25] طبری 2509

مجلسوں میں صلیب اور سور نہ لائیں، خاص نماز کے وقت ناقوس نہ بجائیں، نو مسلم کی اولاد کو اصطباغ نہ دیں تو کیا کوئی شخص اس کو تعصب مذہبی سے تعبیر کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ ہمارے پچھلے مؤرخوں نے ان احکام کی قیدوں اور خصوصیتوں کو اڑا دیا۔ بلکہ قدماً میں بھی جو تعصب آمیز طبیعت رکھتے تھے، روایت میں ان خصوصیتوں کو چھوڑ جاتے تھے، یہ غلطیاں اگرچہ نہایت سخت نتائج پیدا کرتیں تھیں، لیکن چونکہ ظاہر میں خفیف تھیں۔ ابن الاثیر وغیرہ نے اس کا کچھ خیال نہیں کیا۔ رفتہ رفتہ یہ غلطیاں اس قدر پھیل گئیں کہ عربی زبان سرتاپا اس سے معمور ہو گئی۔ فقہاً چونکہ تاریخ سے بہت کم واقفیت رکھتے تھے، انہوں نے بے تکلف انہی روایتوں کو قبول کر لیا اور ان پر فقہ کے مسائل تفریع کر لیے۔

عیسائیوں کے جلا وطن کرنے کا معاملہ

عیسائیوں اور یہودیوں کے جلا وطن کرنے کا معاملہ۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہودی کسی زمانے میں مسلمانوں کی طرف سے صاف نہیں ہوئے۔ خیبر جب فتح ہوا تو ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ جس وقت مناسب ہو گا تم کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ حضرت عمر کے زمانے میں ان کی شرارتیں زیادہ ظاہر ہوئیں۔ عبد اللہ بن عمر کو ایک دفعہ بالا خانہ سے دھکیل دیا جس سے ان کے ہاتھ میں زخم آیا۔ مجبوراً حضرت عمر نے عام مجمع میں کھڑے ہو کر ان کی شرارتیں بیان کیں اور پھر ان کو عرب سے نکال دیا۔[26] چنانچہ صحیح بخاری، کتاب الشروط میں یہ واقعہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

نجران کے عیسائی یمن اور اس کے اطراف میں رہتے تھے اور ان سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے چپکے چپکے جنگی تیاریاں شروع کیں اور بہت سے گھوڑے اور ہتھیار مہیا کیے۔ حضرت عمر نے صرف اس ضرورت سے ان کو حکم دیا کہ یمن چھوڑ کر عراق چلے جائیں۔[27]

غرض یہ امر تمام تاریخی شہادتوں سے قطعاً ثابت ہے کہ عیسائی اور یہودی پولیٹکل ضرورتوں کی وجہ سے جلا وطن کیے گئے[28] اور اس وجہ سے یہ امر کسی طرح اعتراض کے قابل نہیں ہو سکتا۔ البتہ لحاظ کے قابل یہ ہے کہ اس حالت میں بھی کس قسم کی رعایت ان کے ساتھ ملحوظ رکھی گئی۔ فدک کے یہودی جب نکالے گئے تو حضرت عمر نے ایک واقف کار شخص کو بھیجا کہ ان کی زمین اور باغوں کی قیمت کا تخمینہ کرے۔ چنانچہ جو قیمت متعین ہوئی حضرت عمر نے ان کو بیت المال سے دلوا دی۔[29] اسی طرح حجاز کے یہودیوں کو بھی ان کی زمین کی قیمت دلا دی۔[30]

نجران کے عیسائیوں کو جب عرب کی آبادی سے نکال کر شام و عراق میں آباد کیا تو ان کے ساتھ نہایت فیاضانہ رعایتیں کیں۔ ان کو امن کا جو پروانہ دی اس میں یہ شرطیں لکھیں۔

1- عراق یا شام جہاں بھی یہ لوگ جائیں وہاں کے افسر ان کی آبادی اور زراعت کے لیے ان کو زمین دیں۔

2- جس مسلمان کے پاس یہ کوئی فریاد لے کر جائیں وہ ان کی مدد کرے۔

3- 24 مہینے تک ان سے مطلقاً جزیہ نہ لیا جائے۔

اس معاہدے پر احتیاط اور تاکید کے لحاظ سے بڑے بڑے صحابہ کے دستخط ثبت کرائے۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں اس معاہدہ کو بالفاظہا نقل کیا ہے۔[31]

ایک ایسی فوج، جس کی نسبت بغاوت اور سازش کے ثبوت موجود ہوں، اس کے ساتھ اس سے بڑھ کر اور کیا رعایت کی جا سکتی ہے۔

اب صرف جزیہ کا معاملہ رہ جاتا ہے۔ ہم نے اس بحث پر اگرچہ ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور وہ تینوں زبانوں (اردو، انگریزی، عربی) میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے تاہم مختصر طور پر یہاں بھی لکھنا ضروری ہے۔

جزیہ کی بحث

جزیہ کا موضوع اور مقصد، اگرچہ شروع اسلام ہی میں ظاہر کر دیا گیا تھا کہ وہ حفاظت کا معاوضہ ہے لیکن حضرت عمر کے عہد میں یہ مسئلہ ایسا صاف ہو گیا کہ احتمال کی بھی گنجائش نہیں رہی۔ اولاً تو انہوں نے نوشیروان کی طرح جزیہ کی مختلف شرحیں قائم کیں اور اس طریقے سے گویا صاف بتا دیا کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ وہی نوشیروانی محصول ہے۔ اس کے

---

26 فتوح البلدان بلاذری صفحہ 25 و کتاب الخراج 29

27 کتاب الخراج صفحہ 42

28 علامہ شبلی کی یہ رائے مطلقاً درست نہیں کہ عیسائیوں یا یہودیوں کو صرف سیاسی مصالح کی بناء پر سر زمین عرب سے جلا وطن کیا گیا۔ ان کی جلا وطنی میں نص قرآنی اور رسول اللہ ﷺ کی وصیت بھی پیش نظر تھی۔ علامہ سیّد سلیمان ندوی نے بھی اپنے مضمون "ارض حرم اور اس کے احکام و مصالح - قرآن مجید کی نظر میں" میں قرآنی نصوص کے تحت بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ جزیرہ عرب سے ان کا اخراج حکم قرآنی کا اقتضاء تھا۔ (یہ مضمون مجلہ "الواقعۃ" کی اشاعت خاص برائے قرآن کریم میں شائع ہو چکا ہے، شمارہ نمبر 20-21، محرم و صفر 1436ھ)
و نیز رسول اللہ ﷺ کی وہ مشہور وصیت جس میں مشرکین اور یہودیوں کو جزیرہ عرب سے نکال باہر کرنے کا حکم دیا گیا تھا، جو مختلف اسناد کے ساتھ مختلف کتب حدیث میں موجود ہے، بھی صحابہ کرام کے پیش نظر تھا۔----- (تنزیل)

29 فتوح صفحہ 29

30 فتوح صفحہ 29

31 کتاب مذکور صفحہ 41

علاوہ موقع بہ موقع عملی طور پر اس بات کو ظاہر کیا کہ وہ صرف حفاظت کا معاوضہ ہے۔ اس کتاب کے پہلے حصے میں تم پڑھ آئے ہو کہ جب یرموک کے پرخطر معرکہ کے پیش آنے کی وجہ سے اسلامی فوجیں شام کے مغربی حصوں سے ہٹ آئیں اور ان کو یقین ہو گیا کہ جن شہروں سے وہ جزیہ وصول کر چکے تھے یعنی حمص و دمشق وغیرہ، وہاں کے باشندوں کی حفاظت کا اب وہ ذمہ نہیں اٹھا سکتے تو جزیہ سے جس قدر رقم وصول ہوئی تھی سب واپس کر دی اور صاف کہہ دیا کہ اس وقت ہم تمہارے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے۔ اس لیے جزیہ لینے کا بھی ہم کو کوئی حق نہیں ہے۔ اس سے بھی زیادہ قطعی شہادت یہ ہے کہ جن لوگوں سے کبھی کسی قسم کی فوجی خدمت لی گئی ان کو باوجود ان کے مذہب پر قائم رہنے کے جزیہ معاف کر دیا۔ حضرت عمر نے خود 17ھ میں عراق کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ

یستعینوا بمن احتاجوا الیه من الا ساورة و یرفعوا عنهم الجزأ۔[32]

"یعنی فوجی سواروں میں سے جس سے مدد لینے کی ضرورت ہو اس سے مدد لے لو اور ان کا جزیہ چھوڑ دو۔"

یہاں تک کہ اگر کسی قوم نے صرف ایک دفعہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شرکت کی تو اس سال کا جزیہ اس کے لیے معاف کر دیا گیا۔ 22 ہجری میں جب آذربائیجان فتح ہوا تو اہل شہر کو یہ فرمان لکھ دیا گیا۔

و من حشر منهم فی سنة وضع عنه جزاء تلك السنة۔

"یعنی جو لوگ کسی سال فوج کے ساتھ کام دیں گے، اس سال کا جزیہ ان سے نہیں لیا جائے گا۔"

اسی سال آرمینیہ کے رئیس شہر براز سے جو معاہدہ ہوا اس میں یہ الفاظ تھے:

و علی اهل آرمینیة ان ینفروا لکل غارة و ینفذو الکل امر ناب او لم ینب راه الوالی صلاحا علی ان توضع الجزاء۔[33]

اسی سنہ میں جرجان فتح ہوا اور فرمان میں یہ عبارت لکھی گئی :

ان لکم الذمة و علینا المنعة علی ان علیکم من الجزاء فی کل سنة علی قدر طاقتکم ومن استعنا به منکم فله جزائه فی معونة عوضا عن جزایه۔[34]

"یعنی ہم پر تمہاری حفاظت ہے اس شرط پر کہ تم کو ہر سال بقدر طاقت جزیہ ادا کرنا ہو گا۔ اور اگر تم سے اعانت لیں گے تو اس اعانت کے بدلہ جزیہ معاف ہو جائے گا۔"

غرض حضرت عمر کے اقوال سے، معاہدوں سے، طرز عمل سے، روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا تھا کہ جزیہ کا موضوع کیا ہے اور وہ کس غرض سے مقرر کیا گیا۔

جزیہ کا مصرف، فوجی مصارف پر محدود تھا۔ یعنی اس رقم سے صرف اہل فوج کے لیے خوراک، لباس اور دیگر ضروریات مہیا کی جاتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عمر نے جہاں جہاں جزیہ مقرر کیا اس کے ساتھ جنس اور غلبہ بھی شامل کیا۔ مصر میں فی کس جزیہ کی تعداد دراصل چار دینار تھی۔ لیکن دو نقد اور باقی کے عوض گیہوں، روغن زیتون، شہد، سرکہ لیا جاتا تھا اور یہی اہل فوج کی خوراک تھی۔ البتہ آگے چل کر جب رسد کا انتظام مستقل طور پر ہو گیا تو کل جزیہ کی مقدار نقد کر دی گئی اور دو دینار کے بجائے چار دینار لیے جانے لگے۔[35]

عدل فاروقی

" دنیا میں کوئی ایسا حکمران نہیں گزرا جس کو ملکی ضرورتوں کی وجہ سے ، عدل و انصاف کی حدود سے تجاوز نہ کرنا پڑا ہو۔ نوشیروان کو ، زمانہ عدل و انصاف کا پیغمبر تسلیم کرتا ہے لیکن اس کا دامن بھی اس داغ سے پاک نہیں۔ بخلاف اس کے حضرت عمر کے تمام واقعات کو چھان ڈالو ، اس قسم کی ایک نظیر بھی نہیں مل سکتی۔"

علامہ شبلی نعمانی

---

[32] طبری صفحہ 2497

[33] طبری صفحہ 265

[34] ایضاً

[35] فتوح البلدان صفحہ 216

مولانا محمد تقی امینی

خلافت فاروقی میں آراضی کی تنظیم و تقسیم

ذرائع پیداوار کی صحیح تنظیم و تقسیم ہی پر مملکت کی خوشحالی و فارغ البالی موقوف ہے، اور اس میں آراضی کے مسئلہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

اس لیے ہدایت الٰہی نے حسب دستور اس مسئلہ میں بھی مقصد پر زیادہ زور دیا ہے کہ مخلوق کے لیے بسہولت خورد و نوش کا سامان مہیا اور بلا تخصیص مذہب و ملت حسب ضرورت و صلاحیت اس کی تقسیم کا بندوبست ہوتا رہا، اس لیے مفاد عامہ کے پیش نظر اس نے تنظیم و تقسیم کی کوئی خاص صورت متعین نہیں کی ہے بلکہ خلافت کو اختیار دیا ہے کہ وہ حسب حاجت و مصلحت تنظیم و تقسیم کا اس طرح نظام قائم کرے کہ عدل و انصاف کے ساتھ خلق اللہ کو رزق حلال پہنچا کر اپنی ذمہ داری سے سبکدوشی اور اللہ کے روبرو سرخوئی حاصل کر سکے۔

اس اہم مقصد کے حصول کے لیے خلافت پر یہ بندش نہیں ہے کہ وہ ذرائع پیداوار کو افراد کے سپرد کرے یا جماعتوں کے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ ذرائع پیداوار جس کے سپرد کیے جائیں اس کی حیثیت محض امین کی ہو اور اسی وقت تک ان کو اس کے استعمال و انتفاع کا حق حاصل ہو جب تک وہ حصول مقصد میں خلافت کا ہاتھ بٹاتے رہیں اور ایسی فضاء پیدا کرنے میں مددگار بنیں جو عام مخلوق کی خوشحالی و ترقی کی ضامن ہو۔

یہاں اس امر کی وضاحت غیر ضروری ہے کہ خلافت پوری مملکت کی ذمہ دار اور خدا کی حاکمیت و جلال و جبروت کے آگے جواب دہ ہوتی ہے، جیسا کہ فاروق اعظم نے ایک موقع پر فرمایا تھا:-

" لو مات كلب على شاطئ الفرات جوعا لكان عمر مسئولا عنه يوم القيٰمة-" [1]

"فرات" کے کنارے اگر کتا بھی بھوک سے مرجائیگا تو قیامت کے دن "عمر" سے اس کے متعلق باز پرس ہوگی۔

جواب دہی کے اس بنیادی تصور کے پیش نظر خلافت نہ خود سرچشمہ رزق پر قابض ہو کر من مانی کارروائی کرنے کا مجاز ہے اور نہ ذرائع پیداوار اس انداز میں دوسروں کے پاس رکھ سکتی ہے کہ وہ ذاتی وقار و اقتدار کے لیے کمزوروں کو اپنی غلامی پر مجبور کر سکیں۔

ذیل میں چند وہ صورتیں ذکر کی جاتی ہیں جو مذکورہ مقصد و مفاد عامہ کے پیش نظر خلافت فاروقی میں بروئے کار لائی گئی تھیں اور کسی ایک طریق کی پیروی ضروری نہیں قرار دی گئی تھی۔

(1) عراق و شام فتح ہونے کے بعد آراضی کی تنظیم و تقسیم کے بارے میں مشورہ ہوا۔ مجلس شوریٰ میں دو قسم کے رائے رکھنے والے تھے، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف و حضرت بلال وغیرہ کی رائے یہ تھی کہ مفتوحہ زمین فوجیوں میں تقسیم کر دی جائے، اور حضرت علی و حضرت عثمان و حضرت معاذ بن جبل وغیرہ کی رائے تھی کہ خلافت کے زیر اہتمام اصل باشندوں کے پاس رہنے دی جائے، فوجیوں میں نہ تقسیم کی جائے۔

چونکہ اس بارہ میں رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل مذکورہ مقصد اور مفاد عامہ کے پیش نظر مختلف تھا، اس بناء پر دونوں فریق اپنی رائے کی تائید میں آپ کے طرز عمل سے استدلال کرتے تھے، ایک فریق کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا وہ طرز عمل تھا جو آپ نے بنو نضیر و بنو قریضہ کی کل زمین اور خیبر کے کچھ حصے کے بارے میں اختیار فرمایا تھا کہ یہ زمینیں آپ نے فوجیوں میں تقسیم کر دی تھیں، اور دوسرے فریق کے سامنے وادی القریٰ اور مکہ کے کل زمین اور خیبر کی بقیہ زمین تھی کہ آپ نے مفاد عامہ کے پیش نظر اصل باشندوں کے پاس رہنے دی تھی، فوجیوں میں نہ تقسیم کی تھی۔[2]

رسول اللہ ﷺ کے اس طرز عمل کی بناء پر ہر فریق اپنی جگہ مضبوط اور دلائل میں قوی تھا۔ اس لیے مجلس میں بڑی گرما گرم بحث کے باوجود کوئی قطعی فیصلہ نہ ہوسکا اور حضرت عمر کو دوبارہ مجلس شوریٰ طلب کرنا پڑی جس میں آپ نے حالات کی نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مجلس شوریٰ کے ممبروں کے علاوہ انصار کے دس معزز آدمیوں کو بھی خصوصی دعوت پر شریک کیا تھا۔

---

[1] توفیق الرحمٰن ص 34 بحوالہ اسلام کا زرعی نظام ص 88

[2] فوجیوں میں زمین کی تقسیم و عدم تقسیم کا معاملہ اس دور کی معاشرتی و سماجی مصالح کی بناء پر تھا اس لیے موجودہ دور میں نہ تقسیم کو بنیاد بنا کر ملکیت زمین کی آڑ میں زمیندار و جاگیرداری کا جواز تلاش کیا جا سکتا ہے اور نہ عدم تقسیم سے اسلام کے زرعی نظام کو اشتراکیت کے زرعی نظام میں محدود کرنے کی گنجائش نکلتی ہے، بلکہ ان دونوں صورتوں سے صرف ان کی اصل روح اور مقصد میں استفادہ کیا جا سکتا ہے تاکہ حالات کے تقاضہ کے مناسب زمین کی تنظیم و تقسیم کا نظام قائم ہو سکے۔

اس اجلاس میں حضرت عمر نے مجلس کے سامنے چند بنیادی "نکات" پیش کیے اور اپنی مدلل تقریر کے ذریعہ سب کو ان "نکات" میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی جس کا خلاصہ یہ ہے۔[3]

آپ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا:-

"میں نے آپ حضرات کو اس لیے تکلیف دی ہے کہ جس "بار امانت" کو آپ ہی لوگوں نے میرے سر پر رکھا ہے اس کے اٹھانے میں میری مدد کریں۔ اس وقت مجلس میں میری پوزیشن خلیفہ کی نہیں ہے، بلکہ آپ میں کے ہر فرد جیسی ہے، ہر فرد کو اپنی رائے پیش کرنے کا بھی پورا اختیار ہے۔ ابھی تھوڑی دیر کی بات ہے کہ اس معاملہ میں مشورہ ہو چکا ہے، مجلس کے کچھ لوگوں نے میری رائے کی مخالفت کی ہے اور کچھ نے موافقت کی ہے۔

میں یہ ہرگز نہیں چاہتا کہ آپ لوگ میری مرضی کا اتباع کریں، اور حق بات کو چھوڑ دیں بلکہ میں صرف حق بات کی طرف آپ حضرات کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں جس طرح میرے پاس اللہ کی کتاب ہے، ویسے ہی آپ لوگوں کے پاس بھی ہے، جو ناطق بالحق ہے، اسی کو سامنے رکھ کر مشورہ دیجئے، جو کچھ اس میں موجود ہے اس پر عمل کرنا ہم سب کا فرض ہے۔"

حضرت عمر فاروق نے اس موقع پر "آیات فے" سے استدلال کیا تھا، جن میں بلا تخصیص و ترجیح مفتوحہ زمین میں سب لوگوں کا حق بیان کیا گیا ہے فوجیوں کی تخصیص نہیں ہے۔

آیات فے یہ ہیں:

مَّآ أَفَآءَ ٱللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ مِنۡ أَهۡلِ ٱلۡقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي ٱلۡقُرۡبَىٰ وَٱلۡيَتَٰمَىٰ وَٱلۡمَسَٰكِينِ وَٱبۡنِ ٱلسَّبِيلِ كَيۡ لَا يَكُونَ دُولَةَۢ بَيۡنَ ٱلۡأَغۡنِيَآءِ مِنكُمۡۚ وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمۡ عَنۡهُ فَٱنتَهُواْۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَۖ إِنَّ ٱللَّهَ شَدِيدُ ٱلۡعِقَابِ ٧ لِلۡفُقَرَآءِ ٱلۡمُهَٰجِرِينَ ٱلَّذِينَ أُخۡرِجُواْ مِن دِيَٰرِهِمۡ وَأَمۡوَٰلِهِمۡ يَبۡتَغُونَ فَضۡلٗا مِّنَ ٱللَّهِ وَرِضۡوَٰنٗا وَيَنصُرُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓۚ أُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلصَّٰدِقُونَ ٨ وَٱلَّذِينَ تَبَوَّءُو ٱلدَّارَ وَٱلۡإِيمَٰنَ مِن قَبۡلِهِمۡ يُحِبُّونَ مَنۡ هَاجَرَ إِلَيۡهِمۡ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمۡ حَاجَةٗ مِّمَّآ أُوتُواْ وَيُؤۡثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمۡ وَلَوۡ كَانَ بِهِمۡ خَصَاصَةٞۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفۡسِهِۦ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ ٩ وَٱلَّذِينَ جَآءُو مِنۢ بَعۡدِهِمۡ يَقُولُونَ رَبَّنَا ٱغۡفِرۡ لَنَا وَلِإِخۡوَٰنِنَا ٱلَّذِينَ سَبَقُونَا بِٱلۡإِيمَٰنِ وَلَا تَجۡعَلۡ فِي قُلُوبِنَا غِلّٗا لِّلَّذِينَ ءَامَنُواْ رَبَّنَآ إِنَّكَ رَءُوفٞ رَّحِيمٌ ١٠ (سورہ حشر)

"اللہ نے جو فے (مال مفتوحہ) بستی والوں سے اپنے رسول کو عطا فرمایا ہے وہ اللہ و رسول کے لیے اور اقرباء، یتیم، مسکین اور مسافر کے لیے ہے تاکہ تم سے دولتمندوں کے درمیان سمٹ کر نہ رہ جائے اور جو کچھ رسول ﷺ تمہیں دیں اس کو لے لو اور جس سے وہ منع کریں (نہ دیں) اس کو چھوڑ دو، اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے، وہ مال ان مفلس مہاجروں کے لیے بھی ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے ہوئے، اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی ڈھونڈھنے کے لیے اللہ و رسول (دین) کی مدد کرنے کے لیے تمہارے پاس آئے ہیں وہی لوگ سچے ہیں، اور ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو اس گھر (مدینہ) میں ایمان کے حالت میں مہاجرین کے پہلے سے ٹھہرے ہوئے ہیں، وہ لوگ ان مہاجرین سے محبت کرتے ہیں، ان کے آنے سے اور ان کی خاطر تواضع کرنے سے اپنے دلوں میں تنگی نہیں محسوس کرتے ہیں اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ ان پر فاقہ ہی کی نوبت آ جائے، اور جو لوگ اپنے نفس کو لالچ سے بچا لیے گئے وہی مرد پانے والے ہیں، اور ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو ان کے بعد یہ کہتے ہوئے آئے کہ اے ہمارے رب بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں مومنوں کی طرف سے کھوٹ نہ کر، اے ہمارے رب آپ ہی نرمی کرنے والے اور مہربان ہیں۔"

حضرت عمر فاروق نے سلسلے تقریر جاری رکھتے ہوئے گزشتہ اجلاس کی کارروائی پر اجمالی روشنی ڈالی اور مقصد کو زیادہ واضح الفاظ میں اس طرح بیان کیا:

"کیا آپ حضرات نے ان لوگوں کی باتیں نہیں سنیں جو مجھے اس معاملہ میں شک کی نظر سے دیکھتے ہیں، شاید ان کا خیال ہو کہ میں ان کی حق تلفی کرنا چاہتا ہوں، حالانکہ کسی فرد کی بھی حق تلفی کرنا میرے نزدیک صریح ظلم ہے، معاذ اللہ! خدا شاہد ہے کہ میں نے کبھی کسی معاملہ میں ان پر ظلم کیا ہو یا اب ظلم کرنے کا ارادہ ہو، لیکن یہ غور طلب ہے کہ عراق و شام فتح ہونے کے بعد اور کون سی زمین رہ گئی ہے جس کی آمدنی سے خلافت کا انتظام سنبھالا جائے گا، یہ تو محض اللہ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے کسریٰ کے اموال، زمین، جائداد اور جفاکش کام کرنے والوں پر ہمیں غلبہ عطا فرمایا ہے۔

آپ لوگ خود اس کے شاہد ہیں کہ اموال منقولہ میں نے فوجیوں میں تقسیم کر دیا ہے خمس (مال غنیمت کا پانچواں حصہ) بھی مناسب محل پر صرف کر دیا گیا ہے۔ اب صرف زمین (جائداد غیر منقولہ) باقی بچی ہے، اس کے متعلق خیال ہے کہ اس کو اس کے آتش پرست مالکوں ہی کے پاس رہنے دیا جائے اور زمین پر ٹیکس (خراج) اور مالکوں پر ان کے جان و مال کی حفاظت کا معاوضہ (جزیہ)

---

[3] پہلے اجلاس کی مفصل کارروائی راقم کی کتاب "اسلام کا زرعی نظام" میں مطالعہ کرنا چاہیے۔

مقرر کر دیا جائے، تاکہ یہ سب آمدنی اجتماعی مفاد کے کاموں میں خرچ کی جائے اور اس کے ذریعہ فوجیوں کی تنخواہوں اور موجودہ اور بعد کے آنے والے لوگوں کا بندوبست کیا جائے۔

آپ ہی بتایئے! کیا یہ ممالک سرحدوں کی حفاظت کے بغیر بیرونی حملوں سے محفوظ رہ سکیں گے؟ کیا جزیرہ، کوفہ، بصرہ، عراق، شام اور مصر وغیرہ کے بڑے بڑے شہروں میں ان کی حفاظت کے لیے فوجی چھاؤنیوں کی ضرورت نہ ہوگی، اگر زمین تقسیم کر دی جائے تو فوجیوں کی تنخواہیں، بھتے اور دوسرے لوگوں کے وظیفوں کی رقم کہاں سے آئے گی؟"

فاروق اعظم کی اس بصیرت افروز تقریر سے تمام ممبر متاثر ہوئے اور انھوں نے ان الفاظ میں تائید کی:-

"فقالوا جمیعاً الرائ رایک فنعم ما قلت و مارایت-" [4]

"سب نے کہا کہ بس آپ ہی کی رائے اس معاملہ میں زیادہ درست ہے۔"

حضرت عمر کی تقریر اور شوریٰ کے فیصلہ میں جو چیز سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ خلق اللہ کا مفاد اور احساس ذمہ داری ہے۔ دراصل رب العلمین کے سامنے جوابدہی کا حقیقی تصور خلافت کو گوشہ تنہائی میں بھی حق تلفی سے باز رکھتا ہے، اور ذرائع پیداوار کو اس طرح استعمال کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ کی مخلوق کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچ سکے، نہ کوئی چیز بیکار رہنے پائے اور نہ ضائع ہو۔

حضرت عمر کی رائے اور مجلس شوریٰ کے فیصلہ پر اسلامی عدالت کے قاضی القضاۃ امام ابو یوسف تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"و الذی رائ عمر رضی الله عنه من الامتناع من قسمة الارضین بین من افتتحها عند ما عرفه الله ما کان فی کتابه من بیان ذٰلک توفیقا من الله کان له فیما صنع و فیه کانت الخیرة لجمیع المسلمین و فیما رآه من جمع خراج و قسمته بین المسلمین عموم النفع لجماعتهم لان هذا لو لم یکن موقوفا علی الناس فی الاعطیات و الارزاق لم تشحن الثغور و لم تقو الجیوش علی اسیر فی الجهاد و لما امن رجوع اهل الکفر الی مدنهم اذا خلت من المقاتلة و المرتزقة-" (الخراج لابی یوسف ص 27)

"حضرت عمر کی یہ رائے کہ آپ نے مجاہدین اور فاتحین کے درمیان زمین تقسیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس کی تائید میں قرآن حکیم سے دلائل پیش کیے، یہ سب محض توفیق الٰہی کا نتیجہ تھا، اور کتاب اللہ پر بصیرت حاصل ہونے کی بناء پر تھا، جس حقیقت کو حضرت عمر نے پا لیا تھا، اسی میں جماعتی لحاظ سے تمام مسلمانوں کی بھلائی تھی۔ لگان کی آمدنی کو ایک جگہ جمع کرکے عام ضروریات پر خرچ کرنا یہ اس سے کہیں زیادہ بہتر تھا زمین کو چند لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا اور وہی اس سے فائدہ اٹھاتے رہتے۔ اگر لگان کی آمدنی لوگوں کی تنخواہوں اور وظیفوں کے لیے وقف نہ ہوتی تو سرحدوں کی حفاظت اور فوجیوں کی کفالت کس سے کی جاتی اور ظاہر ہے کہ کوئی ملک اس قسم کے انتظامات کے بغیر حملوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا ہے۔"

(2) مصر فتح ہونے کے بعد بھی زمین کی تنظیم و توسیم کے بارے میں مشورہ ہوا تھا، حضرت زبیر بن العوام اور ان کے ہم خیال لوگوں کی رائے تھی کہ زمین فوجیوں میں تقسیم کر دی جائے، اور حضرت عمرو بن العاص (والی مصر) اور دوسرے لوگوں کی رائے یہ تھی کہ خلافت کے زیر انتظام اصل باشندوں کے پاس زمین رہنے دی جائے، فوجیوں میں تقسیم نہ ہو۔

حضرت زبیر کی تقریر کا خلاصہ ہے:-

"اس زمین کو اللہ نے ہماری محنت و مشقت سے فتح کرایا ہے، ہم گھوڑ سوار لڑے ہیں ہم نے پیادہ پا جنگ کی ہے، اس طرح ہم نے پورے مصر پر قبضہ پایا ہے، اس میں نہ والی مصر (عمرو بن العاص) کو کچھ اختیار ہے اور نہ امیر المومنین حضرت عمر کو اختیار ہے جس طرح اموال منقولہ غازیوں میں تقسیم کیے گئے ہیں اموال غیر منقولہ بھی انہیں کا حق ہے۔"

"اس زمین کو اللہ نے ہماری محنت و مشقت سے فتح کرایا ہے، ہ گھوڑ سوار لڑے ہیں ہم نے پیادہ پا جنگ لڑی ہے، اس طرح ہم نے پورے مصر پر قبضہ پایا ہے، اس میں نہ والی مصر (عمرو بن العاص) کو کچھ اختیار ہے، اور نہ امیر المومنین حضرت عمر کو اختیار ہے، جس طرح اموال منقولہ غازیوں میں تقسیم کیے گئے ہیں، اموال غیر منقولہ بھی انھیں کا حق ہے۔"

حضرت عمرو بن العاص کی تقریر کا خلاصہ ہے:-

"خلافت کے زیر اہتمام اصل باشندوں کے پاس زمین رہنے دینے کی تجویز پیش کرنے کے بعد فرمایا کہ جب معاملہ باہمی مشورہ سے نہیں طے ہو رہا ہے تو ایسی اختلافی صورت میں امیر المومنین سے رائے لینا ضروری ہے، جب تک ان کا کوئی قطعی فیصلہ میرے پاس نہیں آجائے گا اس وقت تک کسی قسم کا اقدام نہیں کر سکتا۔"

(2) "مصر" فتح ہونے کے بعد بھی زمین کی تنظیم و تقسیم کے بارے میں مشورہ ہوا تھا، حضرت زبیر بن العوام اور ان کے ہم خیال لوگوں کی رائے تھی کہ زمین فوجیوں میں تقسیم کر دی جائے اور حضرت عمرو بن العاص (والی مصر) اور دوسرے لوگوں کی رائے یہ تھی کہ خلافت کے زیر انتظام اصل باشندوں کے پاس زمین رہنے دی جائے، فوجیوں میں نہ تقسیم ہو۔

حضرت زبیر کی تقریر کا خلاصہ ہے:-

"اس زمین کو اللہ نے ہماری محنت و مشقت سے فتح کرایا ہے، ہم گھوڑ سوار لڑے ہیں ہم نے پیادہ پا جنگ کی ہے، اس طرح ہم نے پورے مصر پر قبضہ پایا ہے، اس میں نہ والی مصر (عمرو بن العاص) کو کچھ اختیار ہے اور نہ امیر المومنین حضرت عمر کو اختیار ہے جس طرح اموال منقولہ غازیوں میں تقسیم کیے گئے ہیں اموال غیر منقولہ بھی انہیں کا حق ہے۔"

[4] پوری بحث کے لیے ملاحظہ ہو کتاب الاموال ص 58 و 59 و کتاب الخراج لابی یوسف ص 25 و 26 و کتاب الخراج یحیٰ ص 44 و بخاری شریف ج 2

حضرت عمرو بن العاص کی تقریر کا خلاصہ :-

"خلافت کے زیر انتظام اصل باشندوں کے پاس زمین رہنے دینے کی تجویز پیش کرنے کے بعد فرمایا کہ جب معاملہ باہمی مشورہ سے نہیں طے ہو رہا ہے تو ایسی اختلافی صورت میں امیر المومنین سے رائے لینا ضروری ہے ، جب تک ان کا کوئی قطعی فیصلہ میرے پاس نہ آ جائے گا اس وقت تک کسی قسم کا اقدام نہیں کر سکتا۔"

آخر کار اجلاس میں یہ تجویز پاس ہوگئی کہ مجلس شوریٰ کی پوری کارروائی لکھ کر امیر المومنین کے پاس بھیجی جائے، چناچہ حضرت عمرو بن العاص نے امیر المومنین کو شوریٰ کی کارروائی لکھ بھیجی اور انھوں نے اس کا جو جواب دیا اس کا مضمون یہ تھا :-

"خط ملا، شوریٰ کی کارروائی معلوم ہوئی، کیا آپ لوگ مسلمانوں کے وظیفوں، غازیوں کی تنخواہوں اور بچوں پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں، فرض کیجئے کہ میں فوجوں میں زمین تقسیم کر دینے کا حکم دیدوں تو بعد کے مسلمانوں کے لیے کیا چیز باقی بچے گی جس کی مدد سے وہ اسلام کی حفاظت کر سکیں گے اور دشمنان اسلام پر غلبہ پا سکیں گے۔

میرے سامنے عام مسلمانوں، کمزوروں، قرض داروں اور بعد کے مجاہدوں کا معاملہ اور ان کا انتظام نہ ہو تا تو میں ضرور زمین تقسیم کرنے کا حکم دیتا، ایسی حالت میں میں ایسا نہیں کر سکتا، اس لیے آپ لوگ زمین چھوڑ دیجئے تا کہ وہ عام مسلمانوں کے لیے وقف ہو جائے اور بعد کے لوگ بے دست پا ہو کر نہ رہ جائیں۔" [5]

مصر میں فاروق اعظم کی یہ مصلحت بینی اور دور اندیشی عام طور پر پسند کی گئی اور آپ کے فرمان کے مطابق مفاد عامہ کے پیش نظر خلافت کے زیر اہتمام زمین اصل باشندوں کے قبضہ میں رہنے دی گی۔

یہ مثالیں تو اس کی تھیں کہ مفاد عامہ کے پیش نظر خلافت کے زیر اہتمام اصل باشندوں کے پاس زمینیں رہنے دی گئی تھیں، اور فوجیوں میں انفرادی طور پر تقسیم نہیں کی گئیں، لیکن خلافت فاروقی میں اس کی مثال بھی موجود ہے کہ خلق اللہ کے مفاد کے پیش نظر لوگوں کو دی ہوئی زمینیں واپس لے لی گئیں، اور شخصی مفاد پر جماعتی مفاد کو مقدم رکھا گیا تھا، چناچہ :

(3) "خالصہ زمین" کا کچھ حصہ فاروق اعظم نے قوم بجیلہ کو دے دیا تھا، دو تین سال تک ان لوگوں کے قبضہ و تصرف میں رہا، پھر جب خلافت نے واپس لینا چاہا تو انھوں نے بلا پس و پیش واپس کر دیا، قیس بن حازم کے بیان کے مطابق واقعہ کی تفصیل یہ ہے :-

" جنگ قادسیہ (جو ایرانیوں سے ہوئی تھی) میں اسلامی فوج میں قوم بجیلہ کے لوگوں کی تعداد چوتھائی تھی۔ حضرت عمر نے ان لوگوں کو "سواد" کا چوتھائی حصہ دے دیا، دو تین سال تک یہ زمین ان کے قبضہ میں رہی، ایک مرتبہ اس قبیلے کے چند افراد عمار بن یاسر اور جریر وغیرہ کسی ضرورت سے حضرت عمر کے پاس آئے، حضرت عمر نے ان سے کہا کہ آپ لوگ اس زمین کو عام مفاد کے لیے خلافت کے حوالہ کر دیجئے، اس ارشاد پر ان لوگوں نے بلا تامل زمین خلافت کے حوالہ کر دی، اس کے بعد حضرت عمر نے سرکاری خزنہ سے جریر کو اسی دینار عطا کیے۔"[6]

اس واقعہ کی خبر قوم بجیلہ کی ایک عورت ام کرز کو ہوئی تو اس نے اپنے حصہ کی زمین واپس کرنے میں پس و پیش کیا اور حضرت عمر کے پاس آ کر عرض کیا:-

" یا امیر المومنین ان ابی ھلک و سھمہ ثابت فی السواد و انی لم اسلم فقال لھا یا ام کرز ان قومک قد صنعوا ما قد علمت فقالت ان کانوا قد صنعوا ما صنعوا فانی لست اسلم حتی تحملنی علیٰ ناقۃ ذلول علیھا تطیفۃ حمراء و تملاء کفی ذھبا قال ففعل عمر ذٰلک فکانت الدینار نحوا من ثمانین دیناراً۔" [7]

"اے امیر المومنین میرے والد کی وفات ہو گئی ہے، "سواد" کی زمین میں ان کا بھی حصہ تھا (جو ترکہ میں مجھے ملا ہے) اس کو واپس نہ کروں گی، حضرت عمر نے فرمایا کہ اے ام کرز تیری قوم نے بلا چوں و چرا واپس کر دی ہے اور تجھے اس کا اچھی طرح علم ہے، اس نے جواب دیا کہ قوم نے جو کچھ کیا ہے مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے، میں تو اپنی زمین اس وقت تک نہ واپس کروں گی جب تک آپ مجھے ایک فرمانبردار اونٹنی نہ دیں جس پر سرخ رنگ کی گرم چادر پڑی ہو اور زر و مال سے میرا ہاتھ نہ بھر دیں، چنانچہ حضرت عمر نے اس کی یہ خواہش پوری کر دی اور اسی دینار کے قریب نقد عطا کیے۔"

اس واقعہ سے جس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ خلافت مفاد عامہ کے پیش نظر جب چاہے زمین واپس لے سکتی ہے ، اسی طرح یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ واپسی کی صورت میں ہر شخص کے ذاتی مفاد کا خیال رکھنا ضروری ہے تاکہ اجتماعی مفاد کے ساتھ ذاتی حقوق کی پائمالی بھی نہ ہو۔

لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ خلافت کی جانب سے صاحب زمین کو بطور امداد جو کچھ دیا جائے اس کی حیثیت لازمی طور پر معاوضہ کی ہوگی، یا مفاد عامہ کے پیش نظر جب زمین واپس لینے کا سوال ہو تو خلافت کو بلا معاوضہ زمین لینے کا اختیار نہیں ہے۔ اسی طرح یہ نتیجہ بھی صحیح نہیں ہے خلافت کی جانب سے اس قسم

[5] شرح معانی الآثار و طبقات ابن سعد بحوالہ اسلام کا زرعی نظام

[6] کتاب الخراج ج 45 و 46 و کتاب الاموال ص 61 و 62

[7] کتاب الخراج یحیٰ ص 45 و 46 و کتاب الاموال ص 61 و 62

کے جو تصرفات کیے جائیں ان میں صاحب زمین کی رضامندی ضروری ہے، ذیل کی تصریحات سے اس پر روشنی پڑتی ہے۔

ابو عبید کہتے ہیں :-

"جو لوگ مفتوحہ زمین کو اصل باشندوں کے قبضہ میں رہنے دینے کے مسئلہ میں فوجیوں کی رضامندی ضروری سمجھتے ہیں (جیسا کہ امام شافعی کا خیال ہے) ان کے لیے یہ واقعہ کیسے دلیل بن سکتا ہے، جب کہ اس قسم کے واقعہ عراق و شام میں اصل باشندوں کے پاس زمین رہنے دینے کی جب حضرت بلال وغیرہ نے مخالفت کی تھی اور اس کو فوجیوں میں تقسیم کرنے پر اصرار کیا تھا تو حضرت عمر نے ان کے متعلق فرمایا تھا " اللھم اکفینھم " (اے اللہ تو ہی ان کے لیے کافی ہے) اس وقت ان لوگوں کی رضامندی کہاں حاصل کی گئی تھی کہ جس کی بنا پر کہا جائے کہ مذکورہ واقعہ میں حضرت عمر ام کرز کو راضی کرنا چاہتے تھے اور صاحب زمین کی رضا مندی کے بغیر انھیں بے دخل کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔"[8]

ابو بکر جصاص قوم بجیلہ کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں :-

"اس میں قوم بجیلہ کی رضامندی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ حضرت عمر نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ زمین کی واپسی کے بغیر چارہ نہیں ہے، اور اسی میں لوگوں کی بھلائی ہے، رہا ام کرز کا معاملہ تو اس کو حضرت عمر نے سرکاری خزانہ سے (بطور امداد) رقم دی تھی (لازمی طور سے اس کی حیثیت معاوضہ کی نہ تھی) کیوں کہ خلیفہ کو اس کا اختیار تھا کہ زمین واپس لیے بغیر بھی سرکاری خزانہ سے اس عورت کو عطیہ دے سکتا تھا۔" [9]

[8] کتاب الاموال ص 62 و 63

[9] احکام القرآن ج 3 ص 531 و 533

اس کا حاصل یہ ہے کہ مفاد عامہ کے پیش نظر جب خلافت کسی صاحب زمین کو بے دخل کرنا چاہے تو نہ اس کی رضامندی ضروری ہے اور نہ معاملہ کی شکل میں مخصوص رقم ادا کرنا لازمی ہے، البتہ اس شخص کے جائز حقوق کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ خلافت کے تصرف سے وہ پائمال نہ ہونے پائیں، خواہ اس کی صورت معاوضہ کی ہو یا امدادی عطیات کی ہو۔

دراصل زمین کے معاملہ میں خلافت کے اختیارات بہ نسبت اموال منقولہ کے زیادہ وسیع ہیں، خلافت راشدہ کے بہت سے تصرفات و واقعات سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے راقم کی کتاب " اسلام کا زرعی نظام" مطالعہ کرنا چاہئے۔

ذیل کی تصریحات سے بھی مذکورہ حقیقت ثابت ہوتی ہے، مثلاً

ایک موقع پر حضرت عمر نے فرمایا:-

" لنا رقاب الارض-" [10]

"زمینیں ہماری (خلافت) کی ہیں۔"

حضرت علی نے ایک شخص کے اسلام قبول کرنے کے بعد فرمایا:-

" ان ارضک فلنا-" [11]

"بے شک تیری زمین ہماری (خلافت کی) ہے۔"

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں :-

" ان نواحی دار الاسلام تحت ید امام المسلمین-" [12]

"دار الاسلام کے اطراف (جملہ حصے) خلیفۃ المسلمین کے زیر اقتدار ہوتے ہیں۔"

امام مالک کا ارشاد ہے :-

" تصیر الارض للسلطان-"

[10] کتاب الاموال ص 279

[11] احکام القرآن ج 3 ص 532

[12] المبسوط ج 1 ص 93

"زمین وقت حاکم (خلافت) کی ہوتی ہے۔" [13]

ایک موقع پر علامہ عینی لکھتے ہیں :-

" ان حکم الاراضی الی الامام-" [14]

"زمین کا معاملہ خلیفہ (خلافت) کے سپرد ہے۔"

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں :-

" و الارض کلھا فی الحقیقۃ بمنزلۃ مسجد او رباط جعل وقفاً علی ابناء السبیل و ھم شرکاء فیہ فیقدم الا سبق فالاسبق و حق الملک فی الادمی کونہ احق بالانتفاع من غیرہ-" (حجۃ اللہ البالغہ ج 1)

"پوری زمین بمنزلہ مسجد اور سرائے کے ہے جو مسافروں پر وقف ہوتی ہے اور سب لوگ اس میں برابر کے شریک ہوتے ہیں، اسی لیے ہر پہلے آنے والوں پر ترجیح ہوتی ہے، زمین پر آدمی کی ملکیت کا صرف یہ مطلب ہوتا ہے کہ قابض کو بہ نسبت دوسرے کے اس سے زیادہ انتفاع کا حق ہے۔"

ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے آراضی کے معاملہ میں خلافت کے اختیارات بہت وسیع ہیں، اور خلیفہ کے لیے مفاد عامہ کے پیش نظر موقوفہ آراضی میں بھی واقف کی مقرر کردہ شرطوں کی مخالفت جائز ہے، چنانچہ آراضی موقوفہ کی بحث میں فقہا نے کہا ہے:-

" ان السلطان یجوز لہ مخالفۃ الشرط اذا کان غالب جھات الوقف قری و مزارع فلیعمل بامرہ و ان غایر شرط الوقف لان اصلھا لبیت المال-" (در المختار ج 1)

"جب وقف کی اکثر جہات گاؤں اور مزروعہ زمینیں ہوں تو خلافت کو اپنی صوبدید کے مطابق اس کا انتظام کرنا چاہئے، خواہ اس میں

[13] المحلی ج 8 بحوالہ اسلام کا زرعی نظام ص 131

[14] عینی ج 6 ص 29

واقف کی شرطوں کی مخالفت پائی جاتی ہو کیونکہ گاؤں اور زمینیں دراصل بیت المال (خلافت) کی ہوتی ہے۔"

زمین کے باب میں اصل اصول وہی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ نے فرمایا ہے کہ خلافت الٰہیہ میں زمین و جائداد پر کسی کے قبضہ ہونے کا صرف یہ مطلب ہے کہ قابض کو بحیثیت امین کے اس سے انتفاع کا حق حاصل ہے۔ اور یہ امانت اسی وقت تک اس کے قبضہ میں رہے گی اور اس سے انتفاع کا حق اس وقت تک رہے گا جب تک خلق اللہ کے مفاد میں وہ خلافت کا ہاتھ بٹائے اور ایسی فضا پیدا کرنے میں مددگار بنے جو مخلوق کی خوشحالی اور ترقی کی ضامن ہو لیکن جب اس کی خلاف ورزی یا امانت میں خیانت ہونے لگے تو اس خلافت کو بے دخل کرنے یا جو مناسب صورت اس کی سمجھ میں آئے اس پر عمل کرنے کا پورا اختیار ہے، جیسا کہ امام ابو یوسف نے ہارون الرشید کو مخاطب کر کے فرمایا ہے:-

" و اعمل بما ترى انه اصلح للمسلمين و اعم نفعا لخاصتهم و عامتهم و اسلم لک فی دینک-" [15]

"جس میں عام خاص تمام مسلمانوں کی بھلائی ہو اور ان کے لیے زیادہ نفع بخش ہو۔ اس میں آپ کو پورا اختیار ہے اور وہ آپ کے دین کے لیے بھی زیادہ محفوظ صورت ہے۔"

خلافت کے اس اختیار میں نہ حقوق ملکیت کا "گورکھ دھندا" حائل ہوتا ہے اور نہ محض جذباتی چیزیں رکاوٹ بن سکتی ہیں۔

چونکہ خلافت کے ہر تصرف و فیصلہ میں اشخاص کے ذاتی مفاد کا لحاظ ضروری ہے اس لیے ایسے تمام مواقع میں وہ ذاتی مفاد کا پورا لحاظ رکھتی ہے لیکن ذاتی اور جماعتی مفادات کے ٹکر کی صورت میں وہ جماعتی مفاد کو ترجیح دیتی ہے۔

یہ واضح رہے کہ خلافت کے مذکورہ بالا وسیع اختیارات اس کی ذمہ داریوں کی بناء پر اس کو حاصل ہیں، دوسری حکومتیں اسی وقت ان سے استدلال کر سکتی ہیں جب وہ بھی خلافت کی ذمہ داریاں قبول کریں۔ ہر حکومت اس کی مجاز نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سخن فہمی

بنو العجلان، ایک نہایت معزز قبیلہ تھا۔ ایک شاعر نے ان کی ہجو لکھی، انہوں نے حضرت عمر سے آکر شکایت کی۔ حضرت عمر نے کہا کہ وہ اشعار کیا ہے ؟ انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

اذا الله عادى اهل لوم ورقة
فعادى بنی العجلان رهط بن مقبل

"خدا اگر کمینہ آدمیوں کو دشمن رکھتا ہے تو قبیلہ عجلان کو بھی دشمن رکھے۔"

حضرت عمر نے فرمایا یہ تو ہجو نہیں بلکہ بدعا ہے کہ خدا اس کو قبول نہ کرے۔ انہوں نے دوسرا شعر پڑھا۔

قبيلتهم لا يغدرون بذمة
ولا يظلمون الناس حبة خردل

"یہ قبیلہ کسی سے بدعہدی نہیں کرتا، اور نہ کسی پر رائی برابر ظلم کرتا ہے۔"

حضرت عمر نے فرمایا کہ کاش میرا تمام خاندان ایسا ہی ہوتا۔ حالانکہ شاعر نے اس لحاظ سے کہا تھا کہ عرب میں یہ باتیں کمزوری کی علامت سمجھی جاتی تھیں۔

ولا يردون المأ الا عشية
اذا صدر الورا دعن كل منهل

"یہ لوگ چشمے یا کنوئیں پر صرف رات کے وقت جاتے ہیں۔ جب اور لوگ واپس آچکتے ہیں۔"

یہ بات بھی شاعر نے اس لحاظ سے کہی تھی کہ اہل عرب کے نزدیک بے کس اور کمزور لوگ ایسا کرتے تھے۔ حضرت عمر یہ سن کر کہا کہ بھیڑ سے بچنا تو اچھی بات ہے۔ انہوں نے آخر میں یہ شعر پڑھا۔

وما سمى العجلان الا لقولهم
خذا القعب احلب ايها العبدوا عجل

"اس کا نام عجلان اس لیے پڑا کہ لوگ اس سے کہتے تھے کہ اے او غلام پیالہ لے اور جلدی سے دودھ لا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : سيد القوم خادمهم-

---

[15] کتاب الخراج ص 59 و 60

محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقام اجتہاد

" اجتہاد " اسلامی قانون و شریعت کی اہم ترین بنیاد ہے۔ اجتہاد ہی ہے جو شریعت کو جامد و ساکت ہونے سے محفوظ رکھتی ہے۔ اجتہاد ہی کے ذریعے تمدنی ضرورتوں اور مختلف زمانے کے تہذیبی روّیوں کی تکمیل شریعت کے مطابق ہوتی ہے۔ اجتہاد ہی کے ذریعے سے مختلف زمانوں میں مختلف احوال و ظروف کے دائرے میں رہ کر شرعی قوانین وضع کیے جاتے ہیں اور شریعت اسلامیہ کو ہر شخص کے لیے قابلِ عمل بنایا جاتا ہے۔

اجتہاد کی تعریف

لفظ " اجتہاد " ، " جہد " سے ماخوذ ہے ، جس کے معنی ہیں : طاقت اور مشقت۔ لغوی اعتبار سے اجتہاد کے معنی ہیں کسی ایسے کام کی تحقیق میں کوشش کرنا جو مشقت اور کلفت کو مستلزم ہو۔ [1]

اصلاح شریعت میں اجتہاد کتاب و سنت سے واضح نص کی عدم موجودگی کی صورت میں شرعی احکام اخذ کرنے کے لیے کی گئی سعی کا نام ہے۔

اجتہاد ، عہدِ رسالت میں

اجتہاد کی بنیاد خود رسول اللہ ﷺ نے رکھی۔ جہاں تک امورِ دینی کا تعلق ہے تو رسول اللہ ﷺ کا ہر فرمان ہی از خود نص کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن منصبِ رسالت سے باہر نبی کریم ﷺ نے اپنے اجتہاد کو بھی مشورے کی حیثیت سے پیش کیا۔ چنانچہ فرمانِ رسالت مآب ﷺ ہے :

" انما انا بشر اذا امرتكم بشئ من دينكم فخذوا به و اذا امرتكم بشئ من رائ فانما انا بشر۔" [2]

" بلاشبہ میں انسان ہوں اگر میں دین میں کسی بات کا حکم دوں کو اسے مضبوطی سے تھام لو ، لیکن اگر اپنی رائے سے فیصلہ دوں تو میں انسان ہی ہوں۔"

اسی طرح ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" انما ظننت ظنا و لا تواخذنی باظن و لكن اذا حدثتكم عن الله شيئاً فخذوا به فانی لم اكذب علی الله۔" [3]

" میں نے ایک گمان کیا تھا ، اس لیے میرے گمان پر نہ جاؤ لیکن جب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بات کہوں تو اس کو لازم پکڑو کیونکہ میں اللہ پر جھوٹ نہیں باندھتا۔"

حیات نبوی میں صحابہ کرام کو امور دینی میں کسی اجتہاد کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور ایسا ممکن بھی نہ ہو سکتا تھا کیونکہ ان کے درمیان نبی کریم ﷺ موجود تھے۔ ہر مسئلے کے لیے صحابہ نبی کریم ﷺ ہی کی طرف رجوع کرتے اور سنت سے براہ راست مستفید ہوتے۔ لیکن اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے اپنے طرزِ عمل سے صحابہ کے ذوقِ اجتہاد کی پرورش ضرور کی۔ اس ضمن میں حضرت معاذ بن جبل کا قصہ بہت مشہور ہے جب انہیں نبی کریم ﷺ یمن کا گورنر بنا کر بھیج رہے تھے تو ان سے دریافت کیا کہ اے معاذ ! تم مقدمات کا فیصلہ کس طرح کرو گے ؟ جواب دیا: کتاب اللہ کے مطابق۔ فرمایا: اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو۔ جواب دیا: رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق۔ فرمایا: اگر میری سنت میں بھی نہ پاؤ تو کیا کرو گے ؟ جواب دیا: " اجتهد فيها برائ " ایسے میں اپنی رائے سے اجتہاد (کوشش) کروں گا۔" [4]

عہدِ صحابہ میں

رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں تو اصحاب کرام کو اجتہاد کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ لیکن ان کے بعد اجتہاد کی تمام تر ذمہ داری خلفائے راشدین اور جلیل القدر صحابہ پر عائد ہوئی اور انہوں نے اس ذمہ داری کو اپنے تمام تر ایمانی تقاضوں اور اخلاص کے ساتھ نبھایا۔

صحابہ کرام کا عہد نبی کریم ﷺ کے عہد سے متصل تھا عمومی طور پر تو حالات میں زیادہ

---

[1] آمدی ، ج 3 ص 139 بحوالہ شاہ ولی اللہ اور اصول فقہ ، از ڈاکٹر مظہر بقا ، ص 532

[2] صحيح مسلم ، كتاب الفضائل ، بَاب وُجُوبِ امْتِثَالِ مَا قَالَهُ شَرْعًا دُونَ ما ذكره من معايش الدنيا علی سبيل

[3] صحيح مسلم ، كتاب الفضائل ، بَاب وُجُوبِ امْتِثَالِ مَا قَالَهُ شَرْعًا دُونَ ما ذكره من معايش الدنيا علی سبيل

[4] سنن ابی داود، كتاب القضايا ، باب اجتهاد الرئ فی القضا۔ سنن الدارمی ، كتاب المقدمة ، باب الفتيا و ما فيه من الشدة - گو یہ حدیث مرسل ہے لیکن اصولاً و معناً درست ہے اور علمائے محققین اس سے استدلال کرتے ہیں۔

تبدیلی نہیں پیدا ہونی چاہیے تھی مگر خلفاء راشدین کے دور ہی میں فتوحات کی وسعت اور مختلف اقوام و قبائل کے ساتھ تہذیبی اشتراک نے نئے نئے مسائل کو جنم دیا جسے اجتہاد ہی کے ذریعے سے حل کیا جا سکتا تھا۔

حضرت ابو بکر کی انفرادیت

رسول اللہ ﷺ کے بعد اس امت میں سب سے بزرگ ہستی سیدنا ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی زندگی میں بارہا کئی مقامات پر لوگوں کو اپنے بعد ابو بکر صدیق سے رجوع کرنے کا کہا۔ اپنے مختصر سے دورِ خلافت میں انہوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ گویا کارِ نبوت کی تکمیل تھا۔ منکرین زکوٰۃ سے وصولی کا مسئلہ ہو یا فتنہ ارتداد سے نپٹنے کا معاملہ ہر جگہ صدیقی روح ذات رسالت میں فنا نظر آتی ہے۔ ان کے اجتہاد میں خطا کا احتمال نہیں تھا اور ایک طرح سے حضرت ابو بکر کے اجتہاد کو نص کی تائید حاصل تھی۔ خود زبان رسالت ﷺ نے اس امر کی گواہی ان الفاظ میں دی:

" **ان الله يكره فوق سمائه ان يخطا ابوبكر**-" [5]

" اللہ تعالیٰ آسمان پر اس بات کو پسند نہیں فرماتا کہ ابو بکر سے خطا ہو۔"

نصِ قرآنی کے مطابق ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اللہ اور اس کے رسول کی معیت میں داخل ہو چکے تھے۔ لَا تَحۡزَنۡ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَنَاۖ (التوبۃ: 40) کہہ کر زبان رسالت ﷺ نے صدیق اکبر کو اللہ اور اپنی دائمی معیت کی سند عطا کر دی تھی پھر کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ صدیقِ اکبر اپنے اجتہاد میں خطا کرتے ؟؟؟؟

حضرت ابو بکر کو جن مسائل میں اجتہاد کی ضرورت پیش آئی ان میں بیشتر کارِ نبوت کی تکمیل کے لیے تھے۔ وفات نبوی ﷺ کے وقت جس طرح صحابہ کے حواس معطل ہو گئے تھے اس وقت ابو بکر صدیق ہی تھے جنہوں نے مقام توحید کی رفعت پر پہنچ کر اس وقت کے شرعی تقاضے کی تکمیل کی۔ منکرین زکوٰۃ سے وصولیابی کا معاملہ در پیش ہوا تو اس وقت بھی حضرت صدیق اکبر نے وہی رویہ اختیار کیا جو بعد میں شریعت کی اساس بن گیا۔

اجتہاد، عہدِ فاروقی میں

الغرض سیدنا صدیق اکبر کے بعد امت کی راہنمائی کا فریضہ سیدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے انجام دیا۔ خلافت فاروقی میں فتوحات کی وسعت کے ساتھ ہی مختلف نوعیت کے سماجی و تہذیبی مسائل کا سامنا ہوا۔ اجتہاد کی نئی نئی شکلیں نکلیں اور اصول و قواعد متعین ہونے لگے۔ سیدنا فاروقِ اعظم کی مجتہدانہ بصیرت محتاجِ تعارف نہیں۔ حضرت ابو بکر نے اپنے عہد میں حضرت عمر، عثمان، علی، عبد الرحمٰن بن عوف، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کو فتویٰ دینے کی اجازت دی اور باقی کو منع کر دیا۔[6]

سیدنا عمر کا مقام و مرتبہ

حضرت ابو بکر کے بعد حضرت عمر کی شخصیت اور ان کے اجتہادات بھی امت میں امتیازی مقام رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر کے بعد حضرت عمر ہی کی جانب رجوع کرنے کا حکم دیا۔ نام لے کر صرف یہ دو صحابی ہی ہیں جن کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے، ان کے علاوہ کسی بھی صحابی کا نام لے کر ان کی پیروی کا حکم نہیں دیا گیا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر کے اجتہاد کا مقام کیا ہے۔ ایک روایت کے مطابق نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

" **لو كان بعدى نبيا لكان عمر**-" [7]

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔"

گو یہ روایت استنادی اعتبار سے بعض کے نزدیک ضعیف ہے تاہم اسے فضائل و مناقب کے باب میں روایت کیا جاتا ہے۔ ایک صحیح روایت میں نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

" **لقد كان فيمن كان قبلكم من بني اسرائيل رجال ، يكلمون من غير ان يكونوا انبياء ، فان يكن من امتى منهم احد فعمر**-" [8]

" تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے لوگ گزر چکے ہیں جن سے (پردہ غیب سے) کلام ہوا کرتا تھا، اگرچہ وہ نبی نہیں تھے اگر میری امت ایسا کوئی ہوا تو وہ عمر ہوں گے۔"

صحیحین کی روایت کے مطابق حضرت عمر کو تعین کے ساتھ اس امت کا محدث و ملہم قرار دیا گیا ہے اس لیے اس امت میں جتنے بھی مجتہدین ہیں خود ان پر اور ان کے اجتہادات پر ماسوائے ابو بکر کے، حضرت عمر کو فوقیت حاصل ہے۔ خود صحابہ کرام اور ان کے بعد تابعینِ عظام بھی

---

[5] تاریخ الخلفاء میں یہ روایت طبرانی کے حوالے سے نقل کی گئی ہے۔ (1/42)

[6] طبقات ابن سعد

[7] یہ حدیث مسند احمد، ترمذی اور حاکم میں روایت ہوئی ہے۔ حاکم کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے لیکن ان کے تساہل حدیث سے حدیث کے طالب علم بخوبی واقف ہیں۔ ترمذی کے مطابق حسن غریب ہے، البانی حسن قرار دیتے ہیں، بعض نے حسن لذاتہ قرار دیا ہے اور بعض اہل علم نے اس حدیث کے بعض راویوں کو منکر اور سخت ضعیف قرار دیا ہے۔ تاہم یہ ایک ایسی ضعیف حدیث ہے جس کے شواہد و متابعات موجود ہیں جس کی وجہ سے ترمذی کی اصطلاح کے مطابق یہ حدیث حسن غریب اور عام اصطلاح کے مطابق حسن لذاتہ کے درجے تک پہنچتی ہے۔ مناقب میں اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے۔

[8] صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

اس درجہ بندی کو سمجھتے تھے اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر کے طرزِ عمل کو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے بعد ایک نظیر کے طور پر دیکھتے تھے۔ ایک بار حضرت عثمان غنی نے حضرت عمر سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اگر ہم آپ کی اتباع کریں تب بھی ہمارے لیے صحیح ہے اور اگر آپ کے پیش رو (حضرت ابو بکر) کی اتباع کریں تو زیادہ بہتر ہے۔"[9]

سنن دارمی ہے کہ عمر بن عبد العزیز کے پاس ایک تابعی ابو سہیل آئے، اس وقت ابن شہاب زہری بھی موجود تھے۔ ابو سہیل نے کہا کہ میری بیوی کے ذمہ مسجد حرام میں تین دن (نذر) کا اعتکاف ہے، اور اس پر روزے بھی ہیں۔ ابن شہاب نے کہا: روزوں کے بغیر اعتکاف نہیں ہوتا۔ ان سے عمر بن عبد العزیز نے پوچھا کیا یہ نبی ﷺ سے منقول ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ پھر پوچھا: کیا یہ ابو بکر سے منقول ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ پھر دریافت کیا: کیا عثمان سے منقول ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ عمر بن عبد العزیز نے کہا: میرا خیال ہے کہ اس پر روزے نہیں ہیں۔[10]

صحابہ کرام اور ان کا طریقہ اجتہاد

عہد خلفائے راشدین اور بالخصوص عہد صدیقی و فاروقی میں ان عالی مرتبت خلفاء کا طریقہ اجتہاد یہی تھا کہ پہلے کتاب اللہ میں تلاش کرتے، اگر نہ پاتے تو سنت کی طرف رجوع کرتے، اگر اس میں بھی نہ ملتا تو صحابہ سے پوچھتے کہ کیا مسئلہ ہذا سے متعلق کوئی نظیرِ سنت موجود ہے؟ اگر پھر بھی نہ ملتا تو اجتہاد کرتے۔

صحابہ کرام عموماً چار طریقوں سے اجتہاد کیا کرتے تھے:

1. ظاہری نصوص سے احکام اخذ کرتے۔
2. نص کی مکمل تفہیم کے بعد کوئی علت اخذ کرتے اور اس نص کے مطابق فیصلہ کرتے۔
3. مصالح مرسلہ، استحسان، سد ذرائع وغیرہ کے ذریعے احکام کے فیصلے کرتے۔
4. اشباہ و نظائر کو تلاش کرتے اور پھر نئے مسائل کو انہی پر قیاس کرتے ہوئے فیصلے دیتے۔

مجتہدینِ صحابہ

صحابہ کرام میں حضرت ابو بکر و حضرت عمر کے علاوہ متعدد اصحاب کرام ہیں جن کے اجتہادات امت کے لیے رحمت بنے۔ حضرت عثمان، علی، عبد الرحمٰن بن عوف، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت، ام المومنین عائشہ، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم مجتہد و فقیہ صحابہ تھے۔ ان میں سے بعض کا شمار ابن قیم نے کثیر الفتاویٰ صحابہ میں کیا ہے۔ اس مقام پر ان اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے اسلوب و مقام اجتہاد کا جائزہ لینا مقصود نہیں۔ صرف حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اسلوب و مقام اجتہاد کی ایک ہلکی سی جھلک دکھانا مقصود ہے۔

حضرت عمر کا اسلوب اجتہاد

حضرت عمر کا مقام و مرتبہ بیان کیا جا چکا ہے اور جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ ان کے اصل مقام و مرتبے کی محض مختصر سی شبیہ ہے ورنہ بکثرت احادیث و آثار ہیں جن سے مناقب و فضائل فاروقی کے دفتر کھل سکتے ہیں۔

چونکہ حضرت عمر کو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ سے غیر معمولی شغف تھا اس لیے ان کی نگاہِ دور رَس الفاظ کی گہرائیوں میں اتر کر مسائل کا استنباط فرماتی۔ یہی وجہ ہے کہ نصوص سے استنباط کی مثالیں بکثرت مل جاتی ہیں۔

حضرت عمر کے اسلوب اجتہاد کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے اس مکتوب گرامی کی طرف رجوع کیا جائے، جو انہوں نے بصرہ کے گورنر صحابی رسول ابو موسیٰ اشعری کو لکھا تھا، اس خط میں لکھتے ہیں:

" الفهم الفهم فيما يختلج فی صدرک مما لم يبلغک فی الكتاب او السنة ، اعرف الامثال و الاشباه ثم قس الامور عند ذٰلک ، فاعمد الی احبها عند الله ، و اشبهها بالحق فی ما ترىٰ" [11]

" جن معاملات میں تم تک کتاب و سنت سے کوئی ہدایت نہیں پہنچی اور وہ تمہارے سینے میں کھٹکتے ہیں تو ان کو اچھی طرح سمجھو، امثال و اشباہ (ملتے جلتے مسائل) سے واقفیت حاصل کرو پھر جو امور در پیش ہیں انہیں ان پر قیاس کرو اور جو تمہارے نزدیک اللہ کو زیادہ پسندیدہ ہو اور تمہیں حق سے قریب تر نظر آئے اسے اختیار کر لو۔"

قاضی شریح کو نصیحت

قاضی شریح کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب منصب قضا تفویض کیا تو ایک بار انہیں ایک خط میں نصیحت فرمائی:

" ان جاءک شئ فی كتاب الله فاقض به و لا تلفتک عنه الرجال فان فاءک ما ليس فی كتاب الله فانظر سنة رسول الله ﷺ فاقض بها فان جاءک ما ليس فی كتاب الله و لم يكن فيه سنة من رسول الله ﷺ فانظر ما اجتمع عليه الناس فخذ به فان جاءک ما ليس فی كتاب الله و لم يكن فی سنة رسول الله

---

[9] فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر: 169

[10] سنن دارمی ، كتاب المقدمة ، باب الفتيا و ما فيه من الشدة

[11] سنن الدارقطنی، كتاب الاقضية و الاحكام ، كتاب عمر رضی الله عنه الی ابی موسیٰ الاشعری۔ گو یہ روایت اسناداً ضعیف ہے مگر اس کے متابعات مل جاتے ہیں۔

ﷺ و لم يتكلم فيه احد قبلك فاختر اى الامرين شئت ان شئت ان تجتهد برايك ثم تقدم فتقدم و ان شئت ان تاخر فتاخر و لا ارى التاخر الا خيرا لك-" [12]

" اگر تمہارے پاس کوئی ایسا واقعہ آئے جو قرآن میں ہو تو اسی پر فیصلہ کرو اور لوگوں کی وجہ سے اسے نہ چھوڑو۔ اگر تمہارے پاس ایسا مسئلہ آئے جو اللہ کی کتاب میں نہ ہو تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کرو۔ اگر تمہارے پاس ایسا مسئلہ آئے جو نہ کتاب اللہ میں ہو اور سنت رسول اللہ ﷺ میں تو دیکھو جس پر لوگوں نے اتفاق کیا ہو اسے لے لو۔ اور اگر تمہارے پاس ایسا مسئلہ آئے جو نہ کتاب اللہ میں ہو، نہ سنت رسول اللہ ﷺ میں ہو اور نہ ہی اس کے متعلق کسی نے تم سے قبل کوئی بات کی ہو تو پھر دو کاموں میں سے جسے چاہو اختیار کرلو۔ اگر چاہو کہ اپنی رائے سے کوشش کر کے آگے بڑھو تو آگے بڑھ جاؤ اور اگر پیچھے رہنا چاہو تو پیچھے رہو، اور میرے خیال میں پیچھے رہنا ہی تمہارے لیے بہتر ہو گا۔"

علم اسرار دین

مصالح شریعت پر نظر رکھنا، احکام الٰہی کی حکمتوں پر غور وفکر کرنا اور کتاب و سنت کے معارف و دقائق کی جستجو کرنا " علم اسرار دین " کی بنیاد ہیں۔ اللہ رب العزت نے حضرت عمر کو اس کا ذوقِ عظیم عطا کیا تھا۔ بلاشبہ کاشانہ نبوت کے بہت سے فیض یافتگان تھے جو اس ذوق سے بہرہ ور تھے مگر اس ذوق و کیفیت کو علم و فن کی شکل دینا حضرت عمر ہی کی اوّلیات میں سے ہے۔

شاہ ولی اللہ نے حضرت عمر، حضرت علی، زید بن ثابت، عبد اللہ بن عباس اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا ذکر کیا ہے ان حضرات صحابہ نے علم اسرار دین سے تعرض کیا اور اس کے وجوہ بیان کیے۔ [13]

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

" شاہ صاحب نے جن لوگوں کا نام لیا، ان میں عبد اللہ بن عباس کی عمر آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت 13 برس کی تھی۔ حضرت علی کا سن جناب رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت دس گیارہ برس سے زیادہ نہ تھا۔ زید بن ثابت کا سن آنحضرت کی ہجرت کے وقت 11 برس کا تھا۔ حضرت عائشہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے وقت کل 18 برس کی تھیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گو یہ سب بزرگ اس علم کے ترقی دینے والے ہوں گے۔ لیکن اولیت کا منصب حضرت عمر ہی کو حاصل ہو گا۔" [14]

علم اسرار دین سے اسی شغف کے اثرات ہمیں حضرت عمر کے ذوقِ اجتہاد میں ملتے ہیں۔

وحی الٰہی سے مطابقت

حضرت عمر کے مجتہدانہ ذوق کی اہمیت تو اسی وقت واضح ہوگئی تھی جب رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں حضرت عمر اپنی رائے دیتے تھے اور اللہ رب العزت اسی رائے کے مطابق وحی کا نزول فرماتا۔ اسی سے حضرت عمر کے مقام اجتہاد کی رفعت کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

" **واقفت ربى فى ثلاث : فى مقام ابراهيم، و فى الحجاب و فى اسارى بدر-**" [15]

" میں اپنے رب کے ساتھ تین باتوں میں موافق ہوا۔ ایک مقام ابراہیم (میں نماز کی جگہ مقرر کرنے سے متعلق)، دوسرا (عورتوں کے) حجاب (سے متعلق) اور تیسرا اسیران بدر (سے متعلق)۔"

اس پر چوتھے کا اضافہ کر لیجیے کہ منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھنے سے متعلق بھی حضرت عمر کی رائے کے مطابق ہی وحی الٰہی کا نزول ہوا۔

مقام ابراہیم

کعبۃ اللہ میں مصلی مقرر کرنے سے متعلق مسئلہ درپیش ہوا تو حضرت عمر نے فرمایا:

" **لو اتخذت من مقام ابراهيم مصلى-**" [16]

" کیوں نہ مقام ابراہیم کو آپ مصلیٰ بنا لیں۔"

چنانچہ اسی کے مطابق اللہ کا فرمان نازل ہوا۔

آیتِ حجاب

رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن آیتِ حجاب کے نزول سے قبل پردہ نہیں کرتی تھیں۔ حضرت عمر کو یہ بات شاق گزرتی تھی انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اپنے خیال کا اظہار کیا۔ لیکن نبی کریم ﷺ وحی کا انتظار فرماتے تھے۔ چنانچہ خاص پردہ کی آیت نازل ہوئی جس کو آیت حجاب کہتے ہیں۔ [17]

اسیران بدر

اسیران بدر کے معاملے میں جب اختلاف ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو رائے دی اسی کے مطابق وحی الٰہی کا نزول ہوا۔ [18]

---

[12] سنن النسائى ، آداب القضاة ، باب الحكم باتفاق اهل العلم - سنن الدارمى ، كتاب المقدمة، باب الفتيا و ما فيه من الشدة

[13] حجۃ اللہ البالغہ

[14] الفاروق، حصہ دوم: 210

[15] صحيح مسلم ، كتاب فضائل اصحاب النبى ﷺ، باب فضائل عمر بن الخطاب رضي الله عنه

[16] صحيح البخارى ، كتاب التفسير ، باب قوله عز و جل " و اتخذوا من مقام ابراهيم مصلى "

[17] صحيح البخارى ، كتاب التفسير ، باب قوله عز و جل " و اتخذوا من مقام ابراهيم مصلى " ، صحيح مسلم ، كتاب فضائل اصحاب النبى ﷺ، باب فضائل عمر بن الخطاب رضى الله عنه

[18] صحيح مسلم ، كتاب فضائل اصحاب النبى ﷺ، باب فضائل عمر بن الخطاب رضى الله عنه

منافق کی نماز جنازہ

عبد اللہ بن ابی جو منافقوں کا سردار تھا۔ جب مرا تو آنحضرت ﷺ نے محض اپنی طبعی خوش خلقی کی بنا پر اس کی نماز پڑھنی چاہی، جب رسول اللہ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو سیدنا عمر نے آپ ﷺ کا کپڑا تھاما اور فرمایا:

" **یا رسول اللہ ﷺ ! ا تصلی علیه و قد نھاک اللہ ان تصلی علیه-**"

" اے اللہ کے رسول ﷺ ! کیا آپ اس کی نماز پڑھتے ہیں حالانکہ اللہ نے اس پر نماز پڑھنے سے آپ کو منع فرمایا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" **انما خیرنی اللہ فقال** : ٱسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً (**التوبة** : 80) **و سازید علی سبعین-**"

" بے شک اللہ نے مجھے اختیار دیا ہے ، فرمایا ہے : " تم ان کے لیے دعا کرو یا نہ کرو تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بخشے گا۔" تو میں ستر بار سے زیادہ دعا کروں گا۔"

سیدنا عمر نے فرمایا: " **انه منافق** "

" بے شک وہ منافق ہے۔"

نبی کریم ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ تب اس پر سورہ توبہ کی حسب ذیل آیت اتری:

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِۦٓ (**التوبة** : 84)

" کسی منافق کی نماز مت پڑھو جب وہ مر جائے، اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہو۔"[19]

اذان کی ابتداء

نماز کے لیے لوگوں کو متوجہ کرنے کے لیے اذان کا طریقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے ہی قائم ہوا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں:

" **کان المسلمون حین قدموا المدینة یجتمعون فیتحینون الصلوٰت و لیس ینادی بھا احد فتکلموا یوما فی ذٰلک فقال بعضھم اتخذوا ناقوساً مثل ناقوس النصاریٰ و قال بعضھم قرناً مثل قرن الیھود فقال عمر رضی اللہ عنه ا و لا تبعثون رجلا ینادی بالصلاۃ ؟ قال رسول اللہ ﷺ یا بلال قم فناد بالصلاۃ-**" [20]

" مسلمان جب مدینہ میں آئے تو وقت کا اندازہ کرکے جمع ہو کر نماز پڑھ لیا کرتے تھے اور کوئی شخص اس پر ندا نہیں کرتا تھا۔ ایک دن لوگ اس پر بات کرنے لگے۔ بعض نے کہا کہ عیسائیوں کی طرح ناقوس بجا لیا کریں اور بعض نے کہا کہ یہودیوں کی طرح نرسنگا بجا لیا کریں تو سیدنا عمر نے کہا کیوں نہ ہم لوگ کوئی آدمی مقرر کر دیں جو لوگوں کو نماز کے لیے مطلع کر دیا کرے ؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ اے بلال ! اٹھو اور نماز کے لیے اعلان کرو۔"

مسائل اعتقادیہ میں حضرت عمر کا تدبر

علم اسرار دین کے بانی اور شریعت کے ابتدائی مجتہد مطلق ہونے کی حیثیت سے اور اس سے بھی بڑھ کے امت محمدیہ ﷺ کے ایک سچے غم خوار ہونے کی حیثیت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر لازم تھا کہ وہ مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح کرتے۔ عقائد کا معاملہ، ایمان و کفر تک جا پہنچتا ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی تکمیلِ توحید ہے۔ حضرت عمر جا بجا لوگوں کو دین میں غلو اختیار کرنے اور مائل بہ شرک ہونے سے نہایت سختی سے روکتے۔

چنانچہ حجر اسود کو دیکھ کر حضرت عمر نے جو کچھ مجمع عام میں کہا وہ ان کے اسی توحیدی مزاج کی پکار ہے۔ ان کا یہ تاریخی جملہ آج بھی تاریخ کے سینے میں محفوظ ہے:

"**انی اعلم انک حجر و انک لا تضر ولا تنفع-**" [21]

" میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔"

اس ایک جملے میں حضرت عمر نے دنیا کے ہر پتھر کی قیمت بتا دی، خواہ کتنا ہی گراں بار ہو، کتنا ہی بیش قیمت ہو یا کیسی ہی مقدس چوکھٹ پر آویزاں ہو۔

اسی طرح وہ درخت، جس کے نیچے آنحضور ﷺ نے لوگوں سے جہاد پر بیعت لی تھی، لوگوں کے نزدیک متبرک سمجھا جانے لگا تھا اور لوگ اس کی زیارت کو آنے لگے تھے۔ حضرت عمر کا توحیدی مزاج بھلا ایسی مبتدعانہ حرکت کو کیسے برداشت کر سکتا تھا اس لیے اسے جڑ ہی سے کٹوا دیا۔[22]

رسول اللہ ﷺ سے غیر معمولی محبت کے باوجود بھی حضرت عمر ان کی ذات میں امکانِ غلو سے بھی گریز کرتے۔ ایک دفعہ سفر حج سے واپسی کے دوران راستے میں ایک مسجد تھی جس میں ایک دفعہ جناب رسول کریم ﷺ نے نماز

[19] **صحیح مسلم ، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب فضائل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ**

[20] **صحیح مسلم ، کتاب الصلوٰۃ ، باب بدء الاذان**

[21] **صحيح البخاري ، كتاب الحج ، الاول فی : باب ما ذكر في الحجر الأسود، و الثاني في : باب الرمل في الحج و العمرة و الثالث في : باب تقبيل الحجر الأسود -** اس کے علاوہ یہ حدیث صحیح مسلم، سنن ابی داود، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور موطاء امام مالک وغیرہا میں بھی روایت کی گئی ہے۔

[22] ازالۃ الخفاء حصہ دوم صفحہ 91- علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں بیعت رضوان کے واقعہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ ابن سعد نے طبقات میں اس واقعہ کو قلمبند کیا ہے۔ بحوالہ الفاروق

پڑھی تھی۔ اس خیال سے لوگ اس طرف دوڑے، کہ نماز پڑھیں۔ حضرت عمر نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اہل کتاب انہی باتوں کی بدولت تباہ ہوئے کہ انہوں نے پیغمبروں کی یادگاروں کو عبادت گاہ بنالیا تھا۔[23]

مصالح شریعت کی جستجو

حضرت عمر ہمیشہ مسائل شریعت کی نسبت اس کے مصالح اور وجوہ پر زیادہ غور کرتے تھے اور اگر کبھی ان کے خیال میں کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تو فوراً رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر لیتے تھے۔ دورانِ سفر میں جو نمازِ قصر کا حکم دیا گیا تھا وہ اس بناء پر تھا کہ ابتدائے اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سامنا رہتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید میں خود ارشاد ہوتا ہے:

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي ٱلْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُواْ مِنَ ٱلصَّلَوٰةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓاْ (النساء: 101)

"جب تم زمین پر گھومو پھرو تو تم پر کچھ گناہ نہیں اگر تم نماز کو قصر کر لو جبکہ تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں تشویش میں مبتلا کر دیں گے۔"

لیکن جب راستے پُر امن ہو گئے اور خدشہ خوف جاتا رہا تب بھی قصر کا حکم باقی رہا۔ حضرت عمر کو اس پر استعجاب ہوا لہٰذا آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ اب سفر میں قصر کیوں کیا جاتا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا انعام ہے۔[24]

حقِ تعزیر کا استعمال

حدود شرعی تو معلوم و متعین ہوتی ہیں جنہیں تبدیل کرنے کا اختیار خود شارع علیہ السلام کو بھی نہیں ہوتا لیکن تعزیر وقت و مصالح اور احوال و ظروف کے مطابق خلیفہ کی اپنی صوابدید پر ہوتا ہے۔ یہ حکومتی ضرورت ہے، ہر حکومت کم و بیش اس کا استعمال کرتی ہے۔ حضرت عمر کے دورِ حکومت میں ہمیں کثرت کے ساتھ تعزیری سزاؤں اور تعزیری نوعیت کے فیصلے ملتے ہیں۔

عصبیت جاہلیہ اور فخر و غرور کی روایات کی حضرت عمر نے حوصلہ شکنی کی۔ لڑائیوں میں قبائل اپنے قبیلوں کی جے پکارا کرتے تھے، حضرت عمر نے اسے حکماً بند کروایا۔[25]

حضرت عمر فاروق اعظم کو لوگوں کی اخلاقیات کی طرف غیر معمولی توجہ رہتی تھی۔ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے شاعری کی اصلاح کی طرف اپنی توجہ منعطف کی۔ ہجو کرنے پر سزا مقرر کی۔

حضرت عمر ہی نے پہلے پہل عاشقانہ اشعار میں عورتوں کے نام استعمال کرنے کی ممانعت کی اور اس پر سزا مقرر کی۔

مدینہ میں قبیلہ بنی سُلیم کے ایک نوجوان تھے جو بڑے خوبصورت تھے۔ ایک بار رات کے گشت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چند عورتوں کی زبان سے ان کی تعریف سنی تو دوسرے ہی دن انہیں بلوا بھیجا اور انہیں مدینہ سے باہر بصرہ کی جانب روانہ کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اس میں خود ان کی کوئی غلطی نہ تھی۔ لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک مصلحت کا اقتضا یہی تھا کہ انہیں جلا وطن کیا جائے۔ اس واقعے کو سدّ ذرائع کی مثال میں بھی پیش کیا جا سکتا ہے۔

جب ان کے کسی عمال کا جرم ثابت ہو جاتا تو اسے کسی صورت نہ بخشتے اور کچھ نہ کچھ تعزیری سزا ضرور دیتے تاکہ دوسروں کو بھی عبرت ہو۔

ذمیوں کے حقوق

ذمیوں کو جو حقوق حضرت عمر نے دیئے ہیں، دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ دنیا کے کسی بھی حکمران نے اپنے حدود سلطنت میں دوسری قوم و ملت کے لوگوں کو نہیں دیئے ہوں گے۔ حتیٰ کہ آج جب کہ دنیا انسانیت نوازی اور سیکولر ازم کی دعویدار ہے، تب بھی اس باب میں رفعت فاروقی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

جسٹس سیّد امیر علی باوجودیکہ شیعہ ہیں، لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اعتراف عظمت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ ایک قابلِ ملاحظہ امر ہے، جس کی نظیر جدید تاریخ میں بھی نہیں ملتی، کہ فتح مصر کے بعد حضرت عمر نے عیسائی کلیسا کے اوقاف کی حفاظت ایک امانت کے طور پر کی اور سابقہ حکومت کی طرف سے پادریوں کے لیے جو وظیفے مقرر تھے وہ جاری رکھے۔"[26]

ذمیوں کے حقوق کے سلسلے میں جو کچھ بھی مساعی سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے انجام دی وہ خالصتاً ان کے اجتہادی کارناموں کے ذیل میں آتا ہے، کیونکہ اس ضمن میں نبی کریم ﷺ کے طرزِ عمل کی کوئی عملی نظیر موجود نہیں تھی۔

عمال بحیثیت اجیر خاص

سیدنا عمر عمال سلطنت کو جب مقرر فرماتے تو اسے دوسرے کام کرنے سے منع کر دیتے، بایں وجہ کہ وہ ان عمالینِ سلطنت کو بھی "اجیر خاص" تصور کرتے تھے۔ اجیر خاص ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو ایک کام کے لیے مامور ہو اور

---

[23] ازالۃ الخفاء از شاہ ولی اللہ، حصہ دوئم، ص 91 بحوالہ الفاروق، حصہ دوم، ص 208

[24] صحیح مسلم احادیث نماز سفر

[25] الفاروق، حصہ دوم، ص 212، نامی پریس کان پور 1899ء

[26] روح اسلام: 426، مترجم محمد ہادی حسین، ناشر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور 1972ء

اسے اس کے سوا دوسرے کام کرنے سے منع کیا جائے۔

حضرت عمر نے جناب ابو موسیٰ اشعری کو تجارت کرنے سے منع کر دیا تھا۔[27]

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ کو بھی جب بحرین کا عامل مقرر کیا تو عامل ہوتے ہوئے ان کے دوسرے کاموں میں مصروف ہونے کو ناپسند فرمایا۔[28]

ایک موقع پر حضرت عمر نے فرمایا کہ امیر کا تجارت کرنا (کاروبارِ مملکت کے لیے) باعثِ خسارہ ہے۔[29]

حدِ خمر

حضرت عمر کے ابتدائی دور میں شارب خمر (مے نوش) کو 40 کوڑوں کی سزا دی جاتی تھی۔ لیکن اپنی خلافت کے آخری ایام میں کبار صحابہ سے مشورہ کے بعد آپ نے یہ سزا 40 کوڑوں سے بڑھا کر 80 کوڑے مقرر کی۔ واقعہ یہ ہوا کہ حضرت خالد بن ولید نے ابو ابرہ کو حضرت عمر کے پاس بھیجا جب وہ پہنچے تو اس وقت حضرت عمر کے پاس حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت زبیر بن عوام بھی موجود تھے۔ ابو ابرہ نے حضرت عمر تک حضرت خالد کا یہ پیغام پہنچایا کہ لوگ کثرت سے مے نوشی اختیار کرتے جا رہے ہیں اور سزا کو کم تصور کرتے ہیں۔ حضرت عمر نے اصحابِ کبار سے مشورہ کے بعد حد خمر 80 کوڑے مقرر کی۔[30]

ہم جانتے ہیں کہ حدودِ شرعی معلوم اور متعین ہیں، انہیں نہ معاف کیا جا سکتا ہے اور نہ تخفیف و زیادتی کی جا سکتی ہے۔ حضرت عمر کا ایسا کرنا سنت کے خلاف نہیں تھا۔ ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی لکھتے ہیں:

"حضرت عمر کے نزدیک 80 کوڑے کی سزا کو چالیس کوڑوں پر ترجیح دینے کی وجہ وہ روایت ہے جو حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مے نوشی پر جوتیوں کے چالیس جوڑے مارے اور حضرت عمر نے ہر جوتی کی جگہ ایک کوڑا مقرر کیا۔"[31]

ایک مرتبہ ایک شخص نے رمضان المبارک میں شراب نوشی کی۔ حضرت عمر نے اسے حد میں 80 کوڑے اور تعزیر میں 20 کوڑوں کی سزا دی، کیونکہ اس نے حرمت رمضان کو پامال کیا تھا۔[32]

حالتِ اضطرار

حضرت عمر حدود و تعزیرات میں حالت اضطرار کا عذر پیش نظر رکھتے تھے۔

حضرت عمر کے پاس ایک عورت لائی گئی جسے صحراء میں جب کہ وہ شدید پیاسی تھی، ایک چرواہا ملا۔ عورت نے اس سے پانی مانگا۔ اس نے اسے پانی دینے سے انکار کیا۔ سوائے اس صورت کے کہ وہ اسے اجازت دے کہ وہ اس کے ساتھ بدکاری کرے۔ عورت نے اسے اللہ کا واسطہ دیا مگر وہ نہیں مانا۔ جب اس عورت کی قوت برداشت جواب دے گئی تو اس نے اس شخص کو اپنے آپ پر قدرت دے دی۔ حضرت عمر نے اضطرار کی اس حالت کی بناء پر اس عورت سے حد ساقط کر دی۔[33]

یہ تو حالتِ اضطرار میں کیے گئے زنا کی مثال تھی، حضرت عمر حالت اضطرار میں کیے گئے سرقے پر بھی قطع ید کی سزا نہیں دیتے تھے۔[34] قحط سالی کے دنوں میں تو آپ نے قطع ید کی سزا ہی موقوف کر دی تھی۔[35]

زنا بالجبر

سیدنا عمر، زنا بالجبر میں مجبور پر حد کا نفاذ نہیں کرتے تھے اور صرف جبر کرنے والے ہی کو سزا دیتے تھے۔

موطاء امام مالک میں نافع سے روایت ہے کہ ایک غلام ان غلام و لونڈیوں پر مقرر تھا جو خمس میں آتی تھیں، اس نے انہیں غلام لونڈیوں میں ایک سے زنا بالجبر کیا، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو کوڑے مارے اور نکال دیا اور لونڈی کو نہ مارا کیونکہ اس پر جبر ہوا تھا۔[36]

گو اس سے قبل رسول اللہ ﷺ نے اپنے عہد میں[37] اور حضرت صدیق اکبر نے اپنے عہد میں[38] مجبور پر حد جاری نہیں کی، مگر حضرت فاروق اعظم کے عہد میں زنا بالجبر کے مختلف النوع واقعات پیش آئے جس میں حضرت عمر کے فیصلے بعد والوں کے لیے نظیر بنے۔

عہدِ فاروقی ہی میں زنا بالجبر کا ایک نہایت اہم واقعہ پیش آیا، جس اس صورت حال کے کئی ایک پہلو واضح ہوئے۔ واقعہ کچھ اس طرح ہے:

قبیلہ ہذیل کے لوگوں کے پاس ایک مہمان آیا۔ لکڑیاں اکٹھی کرنے کے لیے انہوں نے اپنی ایک لونڈی بھیجی۔ مہمان اس

---

[27] مصنف عبد الرزاق
[28] العقد الفرید
[29] فقہ عمر: 5
[30] فقہ عمر: 76
[31] فقہ عمر: 77
[32] فقہ عمر: 78
[33] مصنف عبد الرزاق: 7/407، سنن البیہقی: 8/236، المغنی لابن قدامہ: 8/187 بحوالہ فقہ عمر: 93
[34] فقہ عمر: 94
[35] حوالہ مذکور
[36] موطاء امام مالک، کتاب الحدود، باب ما جاء فی حد الزنا
[37] سنن الترمذی، ابواب الحدود، باب ما جاء فی المراۃ اذا استکرھت علی الزنا
[38] موطاء امام مالک، کتاب الحدود، باب ما جاء فیمن اعترف علیٰ نفسہ بالزنا

پر فریفتہ ہو گیا اور اسے برائی پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ عورت کے انکار پر اس نے دست درازی شروع کر دی۔ کچھ دیر لڑائی جاری رہی کہ اسی اثنا میں وہ عورت پیچھے ہٹی اور ایک وزنی پتھر اسے دے مارا۔ پتھر نے اس کے جگر کے ٹکرے کر دیے اور وہ مر گیا۔ پھر وہ عورت اپنے گھر والوں کے پاس آئی اور سارا ماجرا سنایا۔ اس کے گھر والے دربارِ فاروقی میں حاضر ہوئے اور صورتحال سے آگاہ کیا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تفتیش کے لیے کسی کو بھیجا، تو ان دونوں کے نشانات حسب بیان مبینہ مقام پر پائے گئے۔ اس موقع پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جو فیصلہ دیا وہ تاریخ عدل و انصاف میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے اور اسلام کی فطری تعلیمات کی دلیلِ بیّن بھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

" ذاک قتیل اللّٰه، و اللّٰه لا یؤدی أبداً" [39]

" وہ اللہ تعالیٰ کا مارا ہوا ہے۔ اللہ کی قسم اس کی دیت کبھی ادا نہ کی جائے گی۔"

اس روایت اور حضرت عمر کے فیصلے سے واضح ہوتا ہے کہ جس کے ساتھ زنا بالجبر ہوا ہے اس سے محض گواہوں کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا بلکہ اس ضمن میں قرائن و آثار بھی قوی شہادت کا درجہ رکھتے ہیں۔ اگر کوئی اپنی عزت و عصمت کی حفاظت کرتے ہوئے جبر کرنے والے کو قتل بھی کر دے تو اس سے قصاص طلب نہیں کیا جائے گا۔ تاہم یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ کسی کا محض دعویٰ دلیل نہیں بن سکتا دعوے کے ساتھ کسی چشم دید گواہی یا قوی قرینے کا ہونا ضروری ہے۔

نکاح محلل

نکاح محلل سے مراد ایسا نکاح ہے جو کسی ایسی عورت سے کیا جائے جسے طلاقِ مغلظہ مل چکی ہو، نکاح اس غرض سے کیا جائے کہ وہ اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے۔ حضرت عمر نکاح محلل یعنی عورت کے نکاح ثانی کو تو درست سمجھتے تھے مگر اس میں کسی شرطِ فاسد کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ یعنی نکاح کرنے والا اس شرط پر نکاح کرے کہ بعد از صحبت طلاق دیدے گا تاکہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے۔ اس طریقے کو حلالہ کہتے ہیں۔

حضرت عمر نے بر سر منبر یہ اعلان فرمایا تھا کہ میرے پاس جو محلل اور محلل لہ لائے جائیں گے تو میں انہیں رجم کر دوں گا۔[40]

ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی لکھتے ہیں :

" حضرت عمر نے حلالہ کی سزا میں شدت اس لیے اختیار فرمائی کہ یہ اللہ کی شریعت میں ایک طرح کی حیلہ سازی ہے۔" [41]

تراویح

رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں صرف 3 رات اجتماعی تراویح پڑھائی، اس کے بعد یہ سلسلہ موقوف کر دیا اس خیال سے کہ کہیں صحابہ کا ذوق عبادت دیکھ کر تراویح کی یہ نماز مسلمانوں پر فرض نہ ہو جائے۔ صحیح مسلم میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رمضان کی ایک شب نبی کریم ﷺ تقریباً آدھی رات کو نکلے اور مسجد میں نماز پڑھی، چند لوگ بھی آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہو گئے۔ صبح لوگ اس واقعے کا ذکر کرنے لگے، دوسری رات اس سے زیادہ لوگ جمع ہوئے۔ صبح پھر اس واقعے کا ذکر ہوا، تیسری رات کو مسجد میں اس سے بھی زیادہ لوگ جمع ہوئے نبی کریم ﷺ نکلے اور نماز پڑھائی۔ پھر جب چوتھی رات ہوئی تو لوگ اس قدر جمع ہو گئے کہ مسجد تنگ پڑ گئی لیکن رسول اللہ ﷺ نہ نکلے، لوگ نماز، نماز پکارنے لگے، یہاں تک کہ نمازِ فجر کا وقت ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نکلے، نماز پڑھائی اور لوگوں کی طرف منہ کیا اور شہادتین اور حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا :

" فانه لم یخف علی شانکم اللیلة و لکنی خشیت ان تفرض علیکم فتعجزوا عنها ۔" [42]

" معلوم ہو کہ تمہارا آج کی رات کا حال مجھ پر پوشیدہ نہ تھا مگر مجھے یہ خوف ہوا کہ کہیں تم پر رات کی یہ نماز (تراویح) فرض نہ ہو جائے اور تم اس کی ادائیگی سے عاجز آ جاؤ۔"

اس کے بعد صحابہ اپنے اپنے طور پر مختلف جگہوں پر تراویح کی نماز با جماعت پڑھ لیا کرتے تھے۔ حضرت عمر نے اسی موقوف سلسلے کی تجدید کی۔ حضرت عمر کا ایسا کرنا کسی بھی طرح بدعت کے ذیل میں نہیں آتا۔ گو اپنے اس فعل کے لیے " **نعمت البدعة هذه** " [43] کا جملہ استعمال کیا تھا، اس سے بعض اہل علم [44] بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہوئے کہ حضرت عمر کا با جماعت نمازِ تراویح پڑھوانا بدعتِ حسنہ کی قبیل سے تھا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر وہ اپنے فعل کو بدعت کہہ رہے ہیں تو وہ بدعت، بدعتِ سیئہ تو نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ان لوگوں نے بدعت کی

---

[39] السنن الکبریٰ للبیہقی : 8/337۔ و نیز یہ واقعہ مصنف عبد الرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ اور شرح السنۃ للبغوی میں بھی موجود ہے۔

[40] ابن ابی شیبہ : 1/222، المحلیٰ : 10/181 بحوالہ فقہ عمر: 374

[41] فقہ عمر: 374

[42] **صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب : ما جاء فی صلاة رمضان**

[43] **موطاء امام مالک، باب ما جاء فی قیام رمضان**

[44] مثلاً ڈاکٹر محمد روّاس قلعہ جی در کتاب فقہ عمر : 126۔ بلکہ انہوں نے ایک غضب یہ بھی کیا کہ بدعت کی اس تقسیم کو خود حضرت عمر کی جانب منسوب کر دیا۔

تقسیم قبول کر لی۔[45] مگر ان حضرات نے اس پر غور نہیں کیا کہ یہاں بدعت کا لفظ اپنے لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے نہ کہ اصطلاحِ شرعی میں۔ ایسا ممکن بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلا شبہ خلیفہ راشد تھے۔ فرمان رسالتمآب ﷺ ہے :

" فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بعدی فَسَيَرَى اخْتِلافًا كَثِيرًا ، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ ، فَتَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلالَةٌ ۔" [46]

" تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا۔ پس میری سنت اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو لازم پکڑو۔ اس سے تمسک کرو اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لو۔ خبردار (دین میں) نئی باتوں سے بچنا کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے۔"

اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ بدعات و محدثات کی کثرت کے دور میں سنت رسول اور سنت خلفاء راشدین کو لازم پکڑنا چاہیے۔ پھر حضرت عمر کے فعل کو کس طرح بدعت کہا جا سکتا ہے ؟

علامہ ابو الطیب شمس الحق عظیم آبادی "عون المعبود" میں حافظ ابن رجب حنبلی کی "جامع العلوم والحکم" سے ملخصاً نقل کرتے ہیں :

" فقوله ﷺ " كل بدعة ضلالة " من جوامع الكلم لا يخرج عنه الشئ ، و هو اصل عظيم من اصول الدين - و اما ما وقع فی کلام السلف من استحسان بعض البدع فانما ذٰلک فی البدع اللغوية لا الشرعية ، فمن ذٰلک قول عمر رضی الله عنه فی التراويح " نعمت البدعة هذه " ...." [47]

" آپ ﷺ کا فرمانا کہ ہر بدعت ضلالت ہے، نہایت جامع کلام ہے، اس سے کچھ بھی خارج نہیں۔ یہ اصولِ دین کی اصلِ عظیم ہے۔ رہا بعض سلف کے کلام میں بعض بدعت سے متعلق استحسان کا ذکر تو بلا شبہ یہ بدعتِ لغوی ہے نہ کہ بدعت شرعی۔ جیسے تراویح سے متعلق حضرت عمر کا یہ قول کہ یہ اچھی بدعت ہے۔........."

تراویح کے معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل پر بدعت کا اطلاق اس لیے بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے سامنے حضور ﷺ کی عملی نظیر موجود تھی۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کے موقوفہ لیکن پسندیدہ عمل کی ترویج کی۔

فقہ

علم فقہ کے تو حضرت عمر بانی ہیں۔ اس فن کی پرورش اور ارتقاء حضرت عمر ہی کی رہین منت ہے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان فرماتے ہیں :

" انما يفتی الناس ثلاثة رجل : امام او وال و رجل يعلم ناسخ القرآن من المنسوخ ۔"

" بے شک لوگوں میں سے تین طرح کے لوگ فتویٰ دے سکتے ہیں۔ امام یا والی اور وہ شخص جو قرآن کے ناسخ کو منسوخ سے جانتا ہو۔"

لوگوں نے پوچھا ایسا شخص کون ہے ؟

فرمایا: عمر بن الخطاب۔[48]

اہل سنت و الجماعت کے جتنے بھی فقہی مسالک ہیں، وہ تمام کے تمام سیدنا فاروقِ اعظم ہی کے علم کے خوشہ چیں ہیں۔ بقول شاہ ولی اللہ مذاہبِ اربعہ کی حیثیت فقہ عمر کی شرح اور ائمہ اربعہ کی حیثیت حضرت عمر جیسے مجتہد مطلق مستقل کے مجتہدین منتسبین کی سی ہے۔ فرماتے ہیں :

" حضرت عمر کی اجتہادات میں اصابت (مصیب ہونا) اس حدِ کمال تک ہے کہ ائمہ اربعہ کی پوری فقہ آپ ہی کے متونِ اجتہاد کی شرح ہے۔ امیر المومنین فاروقِ اعظم اس مقام میں " مجتہدِ مطلق " کے درجہ پر فائز ہیں۔ ائمہ اربعہ (امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل) رحمہم اللہ تعالیٰ ایسے مجتہد منتسب ہیں، جو درجہ اجتہادات میں مجتہد مطلق ہونے کی بجائے حضرت عمر کے فیضان سے بہرہ مند ہیں۔" [49]

ایک دوسرے مقام پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں :

---

[45] اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بدعت سے متعلق حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اقتباس پیش کیا جائے۔ حضرت مجدد فرماتے ہیں :
" گزشتہ لوگوں نے شاید بدعت میں کچھ حسن دیکھا ہو گا جو بدعت کے بعض امور کو مستحسن اور پسندیدہ سمجھا ہے لیکن یہ فقیر اس مسئلہ میں ان کے ساتھ موافق نہیں ہے اور بدعت کے کسی فرد کو حسنہ نہیں جانتا بلکہ سوائے ظلمت و کدورت کے اس میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ اسلام کے اس ضعفت و غربت کے زمانہ میں سلامتی سنت کے بجا لانے پر موقوف ہے اور خرابی بدعت کے حاصل کرنے سے وابستہ ہے۔ فقیر بدعت کو کلہاڑی کی طرح جانتا ہے جو بنیادِ اسلام کو گرا رہی ہے اور سنّت کو چمکنے والے ستارہ کی طرح دیکھتا ہے جو گمراہی کی سیاہ رات میں ہدایت فرما ہے ۔" (کشف المعارف : 207، مرتبہ عنایت عارف مطبوعہ الفیصل ناشران کتب لاہور 2006ء)

[46] **سنن ابی داود ، کتاب السنة ، باب لزوم السنة**

[47] عون المعبود: 2136/2

[48] **سنن الدارمی ، کتاب المقدمة ، باب يفتی الناس فی کل ما يستفتی**

[49] فقہ عمر: 25

" علم احکام است کہ الیوم بفقہ مسمی می شود و اقوی مسائل فقہیہ اجماعیات فاروق اعظم است ، و ہیچ چیز اشبہ بعلوم انبیاء علیہم الصلوٰت مانند امر مجمع علیہ نیست زیرا کہ قطع در بسیاری از مسائل فقہیہ بدون اجماع میسر نمی شود و اتفاق امت بغیر اجماع بدست نمی آید و ہیچ خصلت درمیان امت مہم تر از اتفاق نیست مفاسد تفریق بسیار است و ہر چند اتفاق بیشتر تفرق کمتر شناسندہ ماخذ فقہ میداند کہ اہل سنت کہ حملہ لواء شریعت ایشان اند و قلب کتیبہ ملت ایشان اند مدار ایشان بر مسائل اجماعیہ فاروق است ہمان مسائل است کہ اصل و مدار فقہاء اربعہ افتا و بسا مسائل کہ اگر نص فاروق را دران اعتبار نکنند حجت بآن قائم نشود و بسا مسائل کہ در زمان آنحضرت ﷺ و صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واضح نشد و با قاصی و دانی نرسید و اختلاف دران بر انداختہ نشد فاروق اعظم آنرا مجمع علیہ گردانیدہ انچہ از دست فاروق باقی ماند ہمان است مختلف فیہ کہ تا روز قیامت دران اتفاق شدنی نیست اگر سعی فاروق نمی بود علما شذر و ندرمی شدند و حیص و بیص بسیار می دیدند و راہِ اجتہاد واضح نمی شد و تحقیق حق میسر نمی آمد۔ "[50]

اجماعیاتِ فاروقی

حضرت عمر فاروق کے دور میں کثرت سے جدید مسائل پیش ہوئے اور جن پر فاروقِ اعظم کی زیر صدارت مجلسِ علم میں اکابر صحابہ نے اجماع کیا۔ یہ اجماعیات فاروقی شریعت کی اساس اور احکام دین کی بنیاد ہیں۔

جس قدر اجماعی فیصلے حضرت عمر فاروق کے عہد میں حضرت عمر کے زیرِ صدارت مجلسِ صحابہ میں ہوئے ۔ اس قدر نہ ان سے قبل ہوئے اور نہ ہی ان کے بعد۔

قبولیت عامہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اگرچہ خود بہت بڑے فقیہ و مجتہد اور بزبانِ رسالت محدث و ملہم تھے۔ انہیں منصب خلافت بھی حاصل تھی تنہا ان کی رائے بھی فتویٰ کے لیے کافی ہو سکتی تھی۔ لیکن مفادِ عامہ اور احتیاط کے پیشِ نظر وہ اکثر مسائل کو عموماً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں پیش کرتے تھے اور ان مسائل پر نہایت آزادی ، دقت نظری اور نکتہ سنجی کے ساتھ بحثیں ہوتی تھیں۔ بقول علامہ بلاذری : حضرت عمر نے کسی ایسے مسئلہ کو جو ان سے پہلے طے نہیں ہوا تھا، بغیر صحابہ کے مشورہ کے فیصلہ نہیں کیا۔[51]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں :

" **كان من سيرة عمر انه كان يشاور الصحابة و يناظر هم حتى تنكشف الغمة و ياتيه الثلج فصار غالب قضاياه و فتاواه متبعةً مشارق الارض و مغاربها۔**"[52]

" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ اور مناظرہ کرتے تھے یہاں تک کہ پردہ اٹھ جاتا تھا اور یقین آ جاتا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتوؤں کی تمام مشرق و مغرب میں پیروی کی گئی ہے۔"

ایک لائقِ توجہ وضاحت

حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے اجتہادات بھی کیے ، ان کے اجتہادات کو صحابہ کرام کی کثیر تعداد نے قبول کیا۔ بعض اجتہادات سے اصحاب کرام نے اختلاف بھی کیا اور انہیں اس اختلاف کا حق بھی حاصل تھا ، اور یہ وہی اختلاف ہے جو امت کے حق میں رحمت کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن جن مسائل میں اختلاف ہوا وہ خالصتاً اجتہادی نوعیت کے امور تھے ، جن میں ایک سے زائد رائیں ممکن تھیں جن امور کا تعلق تکمیلِ شریعت سے تھا اس پر تمام صحابہ یک زبان و ہمنوا تھے۔

خدام کے ساتھ برتاؤ

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حج کرنے مکہ آئے تو صفوان بن امیہ نے ایک بڑے برتن میں ، جسے کم سے کم چار افراد اٹھا سکتے تھے ، بہت سا کھانا تیار کرایا اور لوگوں کے سامنے رکھا۔ ان میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے۔ کھانے کے وقت خدام اٹھ کر جانے لگے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا:

کیا تم لوگ کھانا نہیں کھاؤ گے ؟

سفیان بن عبد اللہ بن عرض کیا:

امیر المؤمنین ایسی بات نہیں ہم لوگ بعد میں کھا لیں گے۔

یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سخت ناراض ہوئے اور ارشاد فرمایا:

اللہ تعالیٰ لوگوں کی حالت پر رحم کرے کیا یہ ابھی تک طبقات میں بٹے ہوئے ہیں ؟

پھر خدام کو حکم دیا کہ بیٹھ جاؤ اور کھانا اور کھاؤ چنانچہ ان سب نے کھانا کھایا۔

عبد المالک مجاہد کی کتاب
" سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی کے سنہرے واقعات "
صفحہ 87 سے ایک اقتباس

---

50 قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین : 59-60 ، مطبع مجتبائی دہلی 1310ھ

51 کتاب الاشراف

52 حجۃ اللہ البالغہ

مولانا عبد الرحیم اظہر ڈیروی

یک نظر بر فتوحاتِ عہدِ فاروقی

نام و نسب

آپ کا نام عمر، کنیت ابو حفص اور لقب فاروق تھا۔ الامام الحافظ المحدث ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمری القرطبی المالکی نے آپ کا نسب اس طرح بیان کیا ہے:

عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن ریاح بن عبد اللہ بن قُرط بن رزاح بن عدی بن کعب القرشی العدوی ابو حفص، اُمّہ حَنتَمۃ بنت ھاشم بن المغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم۔[1]

عمر فاروق رضی اللہ عنہ، خطاب کے فرزند اور نفیل کے پوتے تھے۔ آٹھویں پشت میں سلسلہ نسب نبی کریم ﷺ سے جا ملتا ہے۔ خاندانِ عمر زمانہ جاہلیت سے ممتاز حیثیت رکھتا تھا اور سفارت و مقدمات اسی خاندان کے سپرد تھے۔ آپ ننھیال کی طرف سے بھی نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی والدہ ہاشم بن مغیرہ کی دختر تھیں۔ حافظ بن عبد البر ولادت عمر کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وُلد عمر بعد الفیل بثلاث عشرۃ سنۃ۔"[2]

یعنی آپ کی ولادت واقعہ فیل کے تیرہ برس بعد ہوئی۔

ابتدائی حالات

عمر فاروق بچپن ہی میں شجاع، دلیر اور حق گو تھے۔ جوان ہوئے تو لکھنا پڑھنا سیکھا۔ سپہ گری، شہسواری اور دوسرے جنگی کمالات میں نام پیدا کیا۔ اسی طرح خطابت میں بھی مہارت حاصل کی۔ ذریعہ معاش تجارت تھا جس کے لیے دور دراز ممالک کے سفر بھی کرتے۔ وہ معاملہ فہمی میں معروف تھے۔

قبولِ اسلام

عمر بن خطاب کے قبول اسلام سے متعلق مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں:

" ظلم و طغیان کے سیاہ بادلوں کی اسی گھمبیر فضا میں ایک اور برقِ تاباں کا جلوہ نمودار ہوا جس کی چمک پہلے سے زیادہ خیرہ کن تھی، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ 6 نبوی کا ہے۔ وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے صرف تین دن بعد مسلمان ہوئے تھے اور نبی ﷺ نے ان کے اسلام لانے کے لیے دعا کی تھی۔ چنانچہ امام ترمذی نے ابن عمر سے روایت کیا ہے اور اسے صحیح بھی قرار دیا ہے۔ اسی طرح طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

" اللّٰھم اعز الاسلام باحب الرجلین الیک بعمر بن الخطاب او بابی جھل بن ھشام۔"

" اے اللہ! عمر بن الخطاب اور ابو جہل بن ہشام میں سے جو شخص تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس کے ذریعے سے اسلام کو قوّت پہنچا۔"[3]

المرام اینکہ عمر بن خطاب کے اسلام لانے سے متعلق اگرچہ مختلف روایات کتبِ احادیث اور کتبِ تواریخ میں ملتی ہیں۔ ان جمیع روایات کو تطبیق دینے کے بعد یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ کے اسلام لانے سے اسلام کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا کیونکہ قبلِ ازیں فرزندانِ توحید مشرکین و مخالفینِ اسلام سے چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا ہم برسرِ حق ہو کر کب تک پوشیدہ اور خفیہ عبادت کریں گے۔ آپ چالیس مسلمانوں کو ساتھ لے کر گئے اور سب کے سامنے نماز پڑھی۔ مشرکین نے مزاحمت کرنا چاہی لیکن حضرت عمر کی جرات و ہمت اور طاقت کے سامنے آنے کی ان کو ہمت نہ ہوئی۔

حضرت عمر نے اس موقع پر حق و باطل پر واضح طور پر دکھا دیا اس خدمتِ جلیلہ کے بدلے میں بارگاہ رسالت ﷺ سے آپ کو فاروق کا لقب ملا۔[4]

ہجرتِ مدینہ

جب مسلمانوں کو مدینہ کی جانب ہجرت کی اجازت ملی تو حضرت عمر فاروق بھی اس سفر کے لیے تیار ہوئے۔ نبی کریم ﷺ سے اجازت لے کر چند آدمیوں کے ہمراہ مدینہ کی طرف بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوئے کہ پہلے مسلح ہو کر مشرکین کے مجمع میں گزرتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے۔ نہایت اطمینان سے طواف کیا اور نماز ادا کی پھر مشرکین سے کہا!

---

[1] الاستیعاب، باب عمر رضی اللہ عنہ

[2] الاصابہ فی تمیز الصحابہ و معہ الاستیعاب

[3] مزید ملاحظہ ہو: الرّحیق المختوم، تاریخ عمر بن الخطاب لابن الجوزی اور ترمذی، ابواب المناقب: مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب

[4] ملاحظہ ہو: البدایہ والنہایہ

" اگر کوئی چاہتا ہے کہ اس کی ماں اس سے محروم ہو جائے اس کی بیوی بیوہ ہو جائے اور بچے یتیم ہو جائیں تو وہ اس وادی کے پار میرے مقابلہ کے لیے کھل کر سامنے آ جائے.........."

لیکن کسی کو ہمت و جرات نہیں ہوئی ۔ ان تمام واقعات سے عیاں ہو گا کہ انہوں نے ہر موقع پر دینِ اسلام کی ترقی و اشاعت اور نصرت کے لیے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ نے اکثر غزوات میں شریک ہوئے۔

عہدِ خلافت

خلافتِ صدیق کے دور میں عمر فاروق بطور مشیر بھی کام کرتے تھے ، خلیفہ اوّل ابو بکر صدیق کی دورِ خلافت کا عرصہ سوا دو سال ہے۔ جب آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہونے لگی یعنی وفات کے قریب خلیفۃ العصر نے صحابہ کرام سے فرداً فرداً مشورہ کیا اور عمر سے متعلق رائے دریافت فرماتے۔ عثمان غنی ، عبد الرحمٰن بن عوف اور دوسرے صحابہ کرام نے کہا کہ عمر خلافت کے لائق اور قابل ہیں۔ آپ کے بعد یہ خلافت کے نظام کو اچھے انداز میں سنبھال سکیں گے ۔ آخر عمر فاروق خلیفہ ثانی منتخب ہوئے۔ عہدِ فاروقی میں فتوحات کے حوالے سے کافی ترقی ہوئی۔ انہوں نے بڑے بڑے شہروں اور صوبوں کو فتح کیا۔ ان میں چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

جب عمر فاروق خلیفہ بنے تو انہوں نے خلیفہ اوّل کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے سب سے پہلے عراق کی مہم کی طرف توجہ دی۔ عرب کے تمام قبائل آپ کی بیعت کے لیے آنے لگے۔ آپ نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں کے سامنے جہاد پر تاثیر تقاریر کیں۔ اس وقت اہلِ عرب چونکہ مدت سے ایرانیوں سے خوف زدہ تھے انہوں نے کئی روز تک جہاد کے عنوان پر وعظ و تقریریں کیں۔ جب آپ نے چوتھے روز حاضرین سے پُر جوش خطاب فرمایا تو مثنیٰ بن حارثہ مجمع میں اٹھے اور عربوں کو غیرت دلائی اور کہا کہ اس محاذ کو دشوار نہ سمجھو۔ ایرانیوں کو حقیر سمجھو ہم ان کو آزما چکے ہیں وہ بہت پست ہمت ہیں ، ہم نے ان کو کئی بار شکست دی ہے۔ ان کے زرخیز علاقے ہمارے قبضہ میں ہیں۔ الغرض مثنیٰ بن حارثہ کی اس تقریر سے لوگ متاثر ہوئے۔ اسی طرح پھر امیر المومنین عمر فاروق نے پُر جوش تقریر فرمائی جس سے لوگ جہاد کے لیے تیار ہو گئے۔ اور ابو عبیدہ ثقفی کھڑے ہوئے اور اپنے آپ کو عراق کی مہم پر جانے کے لیے پیش کیا۔ اس کے بعد ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں کہ ہم بھی حاضر ہیں۔ خلیفہ ثانی نے سردار ابو عبیدہ بن مسعود ثقفی کو فوج کا سپہ سالار مقرر فرمایا اور تقریباً پانچ ہزار کا لشکر دے کر عراق روانہ کیا۔ قبل ازیں خلیفہ اوّل ابو بکر صدیق کے عہد میں عراق اور شام میں مسلمانوں نے کچھ علاقے فتح کر لیے تھے آخری جنگ یرموک کے مقام پر ہوئی جس میں سپہ سالار اعظم خالد بن ولید ، جو ایک عظیم اور زبردست جنگجو اور بہادر مسلم تھے، ان کی بہادری اور جنگی مہارت و قابلیت نے ایرانی و ساسانی بادشاہوں کو نہایت حیران کر دیا۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ عظیم جرنیل خالد بن ولید یرموک جانے سے پہلے مثنیٰ بن حارثہ کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے خود عراق سے روانہ ہوئے۔ خالد بن ولید کی عراق سے عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایرانیوں نے پھر مسلمانوں پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مثنیٰ بن حارثہ کو علم ہوا تو وہ وقتی طور پر اپنا جانشین مقرر کر کے خود مدینہ پہنچے اور خلیفہ اوّل سیدنا ابو بکر کو حالات سے آگاہ کیا۔ اس دن خلیفہ اوّل سخت بیمار تھے اور وہ ان کی زندگی کا آخری دن تھا۔ صدیق اکبر نے جب عمر کو کہا تھا کہ عراق کی مہم بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس لیے فوج مہیا کر کے روانہ کرنا۔ خلیفہ ثانی عمر فاروق نے خلیفہ اوّل کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے سب سے عراق کی مہم کی طرف توجہ دی۔

المختصر اینکہ لشکر اسلام عراق کی مہم پر روانہ ہوا ادھر ایرانیوں نے گزشتہ شکستوں سے سبق حاصل کرتے ہوئے فوج کی از سر نو تنظیم کی، خراسان کا معروف مدبر اور بہادر سپہ سالار رستم کو مقرر کیا گیا۔ رستم نے ایرانیوں کے مذہبی جذبات سے کھیلنا شروع کیا، مذہب کے نام پر اس نے ایرانیوں کو مسلمانوں کے خلاف خوب بھڑکایا اور ملک میں ایک آگ سی لگا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارے ایرانی مسلمانوں کے مقابلہ پر لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔

مقابلہ

ایرانیوں کی جدید تربیت یافتہ فوج سے لشکر اسلام کی کئی جھڑپیں ہوئیں۔ جس میں ایرانیوں کو کافی نقصان پہنچا۔ حیرہ اور قادسیہ کے درمیان نمارق پر ابو عبیدہ کا ایرانی سپہ سالار جابان سے آمنا سامنا ہوا۔ شدید جنگ کے بعد ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔ ان کا قائدِ فوج جابان گرفتار ہوا۔ مسلمان فوج نے پیش قدمی جاری رکھتے ہوئے کسکر کے قریب مقام سقاطیہ پر پھر دشمنوں کی فوج کو شکست دی۔ ایرانی سپہ سالار نرسی میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ بے شمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ دوبارہ ایرانی افواج نئے حملہ کے لیے میدان آئی اور ابو عبیدہ ثقفی کی فوج دریائے فرات کو پار کر کے دشمن کے مقابلہ کے لیے نکلی۔ ایرانی لوگوں کے بڑے بڑے ہاتھی تھے۔ مسلمانوں کے پاس گھوڑے تھے مگر مسلمان بڑی بہادری سے لڑے۔ دونوں فوجوں میں شدید لڑائی ہوئی۔ ابو عبیدہ سب سے بڑے ہاتھی کی طرف بڑھے اور تلوار سے ہاتھی

کی سونڈ پر وار کیا لیکن ہاتھی نے بڑھ کر حملہ کیا جس سے ابو عبیدہ گر پڑے اور ہاتھی کے پاؤں سے شہید ہوئے۔ مسلمانوں کو کافی نقصان ہوا۔ جب خلیفہ ثانی کو اس شکست کی خبر ملی تو انہوں نے جریر بن عبد اللہ بجلی کے زیر قیادت مزید کمک بھیجی اب مثنیٰ نے ایرانی فوج کو بویب کے مقام پر بری طرح شکست دی اور ایرانی سپہ سالار مہران قتل ہوا۔ مجاہدینِ اسلام کو بہترین کامیابی حاصل ہوئی جس سے بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا اور مسلمانوں کا رُعب ایرانیوں پر چھا گیا۔ معرکہ بویب میں بارہ ہزار ایرانی مارے گئے اور مسلم شہداء کی تعداد صرف ایک سو تھی۔[5]

جنگ قادسیہ

قادسیہ عراق کا مشہور شہر تھا۔ مجاہدین اسلام معرکہ بویب جو ماہِ رمضان میں پیش آیا تھا۔ اس میں فتح حاصل کرنے کے بعد چین و آرام سے بیٹھنا ان کے لیے مشکل تھا۔ مجاہدین اسلام کو علم ہو گیا تھا کہ ایرانی بڑے جوش و خروش سے جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس عرصے میں ایک پر جوش نوجوان شہزادہ یزدگرد ایران کے تختِ شاہی پر بیٹھا۔ اس نے مجاہدینِ اسلام کے لیے ایک لشکر تیار کر کے رستم نامی سپہ سالار کے زیرِ قیادت روانہ کیا۔ خلیفہ ثانی عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تیاری میں مصروف تھے۔ آپ نے تمام اطرافِ ملک سے آزمودہ و تجربہ کار سپاہی جمع کر کے ایک فوج تیار کی اور جلیل القدر صحابی سعد بن ابی وقاص کی زیر کمان ایران کی طرف روانہ کی۔

جنگِ قادسیہ چار دن رہی دونوں جماعتوں میں لڑائی بھی خوب ہوئی مجاہدینِ اسلام نے اپنی بہادری اور دلیری کے مثالی جوہر دکھائے۔ رستم بڑی بہادری سے لڑتا رہا۔ آخر کار زخموں سے چور ہو کر میدان سے بھاگ گیا۔ ایک مجاہدِ اسلام ہلال بن علقمہ نامی نے تعاقب کر کے اسے قتل کر دیا۔ اسی چوتھے روز جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ ایرانی سپاہیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس جنگ میں بے شمار مالِ غنیمت مجاہدین اسلام کے ہاتھ آیا۔

تاریخ عالم میں جنگِ قادسیہ کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ دنیا کی بڑی فیصلہ کن جنگوں میں شمار ہوتی ہے۔ فتح قادسیہ نے سلطنت ایران کی کمر توڑ دی اور اگرچہ اس کے بعد بھی ایرانیوں سے کئی زبردست جنگیں ہوئیں، لیکن در حقیقت جنگ قادسیہ کے بعد ایرانی فوج میں وہ سکت و ہمت اور جرات باقی نہ رہی۔ قادسیہ کی شکست نے ایرانی فوج کے حوصلے پست کر دیئے تھے۔ فتح قادسیہ دراصل ملک ایران اور ایشیائے کوچک کی فتح کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

بیت المقدس

137 قبل مسیح میں رومی شہنشاہ نے یہودیوں کو بیت المقدس اور فلسطین سے جلا وطن کر دیا تھا۔ چوتھی صدی عیسوی میں رومیوں نے عیسائیت قبول کرلی اور بیت المقدس میں گرجے تعمیر کیے۔ جب نبی کریم ﷺ معراج کو جاتے ہوئے بیت المقدس پہنچے اس وقت یہاں کوئی مسجد یا ہیکل نہ تھا۔ چنانچہ مسجد کی جگہ ہی کو مسجدِ اقصیٰ کہا گیا۔ 2ھ بمطابق 624ء تک بیت المقدس ہی مسلمانوں کا قبلہ رہا حتیٰ کہ حکم الٰہی کے مطابق کعبہ (مکۃ المکرمۃ) کو قبلہ قرار دیا گیا۔ 17ھ بمطابق 639ء میں عہدِ فاروقی میں عیسائیوں سے ایک معاہدے کے تحت بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔[6]

بیت المقدس پر مسلمانوں کے قبضہ کی کچھ تفصیل اس طرح ہے۔ اس کو یروشلم بھی کہتے ہیں اس کا قدیم نام ایلیا بھی ہے۔ یہ شہر فلسطین کا صدر مقام تھا۔ ابو عبیدہ نے اس پر خلیفہ ثانی عمر فاروق کے حکم سے لشکر کشی کی تو عیسائی شہر میں محصور ہو گئے تھے۔ کچھ عرصہ بعد محصورین نے یہ خواہش ظاہر کی کہ امیر المؤمنین خود یہاں آ کر اپنے دست مبارک سے معاہدہ لکھیں تو ہم شہر حوالے کرنے کے لیے تیار ہیں۔ انہیں عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے انتہائی شفقت کی توقع تھی۔ عمر فاروق نے اکابر صحابہ سے مشورہ کے بعد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر فرمایا اور ماہِ رجب المرجب 16ھ میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔[7]

بیت المقدس کا سفر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نہایت سادگی سے طے فرمایا ایک مختصر سی جماعت کو ساتھ کیا۔ جابیہ کے مقام پر افسروں نے استقبال کیا اور اسی مقام پر ہی بیت المقدس کا وفد آیا جن سے معاہدہ طے ہوا کہ تمام شہر والوں کو جان و مال کی امان دی جاتی ہے۔ ان کے گرجے و صلیبیں محفوظ ہوں گی۔ انہیں تبدیلِ مذہب پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ جو لوگ بیت المقدس سے باہر جانا چاہیں ان کو ہر طرح کا امن و امان حاصل ہو گا اور دوبارہ واپسی کی اجازت بھی حاصل ہو گی۔[8]

فتوحات شام کے واقعات میں مجاہدِ اسلام خالد بن ولید کی سبکدوشی ایک اہم واقعہ ہے۔ وہ ایک بہترین اور مثالی فوجی سپہ سالار تھے۔ جنہوں نے عراق میں بھی سپہ سالاری کے فرائض بڑی بہادری سے انجام دیئے۔ انہوں نے اپنی جنگی قابلیت و مہارت سے دربارِ ایران اور ساسانی بادشاہی کو حیران اور مرعوب کر دیا

---

[5] ملاحظہ ہو: طبرانی، تاریخ اسلام تالیف مورخ اسلام اکبر شاہ نجیب آبادی، الفاروق وغیرہا

[6] مزید ملاحظہ ہو: اٹلس سیرت نبوی ﷺ

[7] تاریخ طبری

[8] مسلم و ترمذی

تھا۔ ایسے مثالی کمانڈر کو ہٹانے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

اس بارے میں بعض معتبر مؤرخین کا خیال ہے کہ خالد بن ولید کو چونکہ ہر معرکہ میں فتح و نصرت حاصل ہوتی رہی ہے لہٰذا لوگوں کے دلوں میں خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ تمام فتوحات خالد بن ولید کی سپہ سالاری ہی کی وجہ سے مسلمانوں کو حاصل ہوئیں۔ خلیفہ ثانی عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید کو معزول کر کے یہ ثابت کیا کہ مسلمانوں کی کامیابیاں اور فتح مندیاں کسی شخص سے وابستہ نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ رب العزت کی مشیّت اور دینِ اسلام کی برکات ان فتوحات کا اصل سبب ہیں۔[9]

المرام اینکہ بیت المقدس عہدِ فاروقی میں مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور کافی عرصہ تک رہا۔ آخر پھر ایک ایسا وقت آیا کہ بیت المقدس یہودیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ چنانچہ پہلی جنگِ عظیم 1917ء کے زمانہ میں انگریزوں نے بیت المقدس اور فلسطین پر قبضہ کر کے یہودیوں کو آباد ہونے کی عام اجازت دیدی۔ یہود و نصاریٰ کی سازش کے تحت نومبر 1947ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے دھاندلی سے کام لیتے ہوئے فلسطین کو عربوں اور یہودیوں میں تقسیم کر دیا اور 14 مئی 1948ء کو یہودیوں نے اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا۔ جو تاریخ کا ایک اندوہناک سانحہ ہے۔ جس سے مختلف سانحات نے جنم لیا اور جس کا المناک سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

مصر

ساتویں صدی عیسوی میں جب مجاہدینِ اسلام نے سلسلہ فتوحات کا آغاز کیا تو بیت المقدس اور شام کی طرح مصر بھی رومیوں کے قبضہ میں تھا وہاں کے باشندے قبطی کہلاتے تھے۔ یہ مذہباً عیسائی تھے۔ ان پر قیصر روم کی طرف سے ایک مصری نائب مقرر ہوتا تھا۔ جسے مقوقس کہتے تھے۔ قبطیوں کے ساتھ رومیوں کا سلوک اچھا نہ تھا۔ شام کے زیرِ نگیں ہونے کے بعد اس کے قریبی ملک مصر پر فوج کشی ہوئی۔ اس کی فتح کا سہرا عمرو بن العاص کے سر ہے۔ مصر پر حملہ کرنے کے مختلف اسباب تھے۔ مثلاً

- ❖ ظہورِ اسلام سے قبل عمرو بن العاص اپنی تجارت کے سلسلے میں اکثر مصر آیا کرتے۔ مصر کی شادابی اور زرخیزی ان کی نگاہ میں تھی۔ یہ مصر پر حملہ کرنے کا ایک اہم سبب تھا۔
- ❖ دوسرا سبب کچھ اس طرح ہے کہ مصر کی قبطی حکومت قیصر روم کے ماتحت تھی اور رومیوں کا اس پر مکمل اثر تھا۔ وہ نہایت آسانی کے ساتھ قبطیوں کے ذریعے شام میں شورش بپا کروا سکتے تھے۔ اس لیے شام کی حفاظت کے لیے مصر پر قبضہ ضروری سمجھا گیا۔ چنانچہ فتح شام کے بعد عمرو بن عاص نے خلیفہ ثانی سے مصر پر فوج کشی کی اجازت طلب کی۔ آپ نے احتیاطاً انکار کیا۔ لیکن عمرو بن العاص کے پیہم اصرار پر راضی ہو گئے۔
- ❖ مصر پر حملہ کرنے کا تیسرا سبب یہ ہوا کہ رومی سردار اطربون فلسطین سے فرار ہو کر مصر چلا گیا تھا اور وہاں اپنی طاقت میں اضافہ کر رہا تھا۔ یعنی مصر میں آ کر اپنی فوج کو مضبوط بنانے کی کوشش میں رہنے لگا تھا۔
- ❖ چوتھا سبب یہ ہے کہ قیصر روم مصر کی راہ سے شام پر حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا۔
- ❖ پانچواں سبب یہ کہ مصر پر رومیوں کا قبضہ تھا انہوں نے اہل مصر کو غلامی کے شکنجہ میں جکڑ رکھا تھا۔ مصر کو رومیوں سے چھین لینے کا خود وہاں کے باشندوں کو یہ فائدہ پہنچتا کہ ظالم حکمرانوں سے نجات پا جاتے۔
- ❖ اسی طرح ایک سبب یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات مخفی نہ تھی کہ اہل مصر رومیوں کو نا پسند کرتے تھے۔ اسلامی حملہ کی صورت میں ان سے یہ توقع تھی کہ مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ چنانچہ بعد کے حالات نے فاتح مصر عمرو بن العاص کے اس اندازے کو صحیح ثابت کر دیا اور اہلِ مصر نہایت آسانی سے مغلوب ہو گئے۔

فتح اسکندریہ

یہ شہر سکندرِ اعظم نے آباد کیا تھا۔ یہ عیسائیوں کا مرکز رہا ہے اور یہاں ان کے عظیم گرجے اور مذہبی یادگاریں تھیں۔ قیصر روم خود یہاں آنا چاہتا تھا مگر اچانک مر گیا۔ عمرو بن العاص کے ساتھ کچھ قبطی رئیس بھی تھے۔ رومی ظالموں سے اہلِ مصر نالاں اور متنفر تھے۔ اسکندریہ تک مجاہدینِ اسلام آسانی سے بڑھے مگر اس کے مضافات میں پہنچ کر مقابلہ کرنا پڑا۔ جس کے نتیجے میں مجاہدین نے اسکندریہ کا محاصرہ کر لیا۔ کافی عرصہ محاصرہ کرنے سے خلیفہ ثانی کو تشویش ہوئی تو انہوں نے عمرو بن العاص کو خط لکھا:

"معلوم ہوتا ہے کہ مصر کے قیام سے تم لوگ عیسائیوں کی طرح عیش و عشرت میں مبتلا ہو گئے ہو ورنہ اتنی دیر نہ ہوتی۔ میرا یہ خط پہنچتے ہی متفقہ حملہ کرو۔"

اس خط کے ملتے ہی عمرو بن العاص نے اسلامی فوج کے سامنے فضائل جہاد بیان کیے۔ عبادہ بن صامت کو سپہ سالار بنا کر بروز جمعۃ المبارک قلعہ پر زبردست حملہ کیا جس سے اسکندریہ فتح ہو گیا اور خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق کو فتح کی خوشخبری بھجوا دی گئی۔ اسکندریہ مصر

[9] ملاحظہ ہو: تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

کی کنجی تھا کیونکہ اسکندریہ کا قلعہ مصر بھر میں مضبوط ترین قلعہ مانا جاتا تھا۔ اس پر رومیوں کو بھی بڑا فخر اور ناز تھا۔ بحری اور برّی دونوں راستوں سے رومیوں کو کمک اور سامان تیزی سے پہنچ رہا تھا۔ اس لحاظ سے اسکندریہ مصر کی کنجی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کو فتح کرنے سے باقی مصر آسانی سے فتح ہو گیا۔

فتح طرابلس

مصر کے بعد عمرو بن العاص نے مغرب کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے طرابلس کے مشہور مقام برقہ پر قبضہ کر لیا بعد ازاں طرابلس کے معروف قلعہ کو فتح کر لیا۔

المرام اینکہ

عہدِ صدیقی میں بھی مجاہدین نے مختلف علاقوں اور ملکوں کو فتح کیا اور عہدِ فاروقی میں بھی اہلِ اسلام نے مثالی فتوحات حاصل کیں وہ ملک اور علاقے فتح کیے جہاں کشت و خون اور ظلم و ستم عروج پر تھے جب وہ علاقے مسلمانوں کے زیر سایہ آئے تو وہاں کے لوگ مسلمانوں کے سلوک و اخلاق سے بہت متاثر ہوئے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگرچہ عمر فاروق خود کسی بھی جنگ میں شریک نہیں ہوئے لیکن تمام جنگیں ان ہی کی ہدایات و حکم سے ہوئیں۔ عہدِ فاروقی کی وسعتِ فتوحات کے بارے میں اہل فکر و دانش کی رائے ہے کہ تاریخ عالم میں ایسی مثال نہیں ملتی کہ اتنے مختصر سے عرصے میں کسی فاتح نے اتنے وسیع علاقے کو فتح کیا ہو اور عدل و انصاف پر مبنی ایسی حکومت و خلافت کی ہو جس میں ایک واقعہ بھی منافی عدل نہیں ملتا۔[10]

ارشادِ فاروقی

"ان هذا القرآن كلام الله فلا اعرفنكم فيما عطفمتوه على اهوائكم ۔"

" بے شک یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اس لیے میں تمہیں اس حالت میں نہ دیکھوں کہ تم نے اسے اپنی خواہشات کے مطابق بنا لیا ہو۔" (دارمی)

"مُرَاجَعَةَ الْحَقِّ خَيْرٌ مِنَ التَّمَادِي فِي الْبَاطِلِ ۔"

" حق کو اختیار کرنا باطل پر جمود اختیار کرنے سے کہیں بہتر ہے۔" (دار قطنی)

" فدعوا ما يريبكم الى ما لا يريبكم ۔"

" پس جس چیز میں تمہیں شک ہو اسے چھوڑ کر وہ اختیار کرو جس میں تمہیں شک نہ ہو۔" (دارمی)

" فَإِنَّهُ لَا يَنْفَعُ تَكَلُّمٌ بِحَقٍّ لَا نَفَاذَ لَهُ ۔"

" ایسا فیصلہ قطعی بے سود ہے جسے نافذ نہ کیا جا سکے۔" (دار قطنی)

10 تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتوح البلدان للبلاذری، تاریخ طبری، البدایہ و النہایہ، تاریخ الخلفاء للسیوطی، تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، الاصابہ لابن حجر، الاستیعاب لابن عبد البر وغیرہا

مولانا غلام رسول مہر

سیرتِ فاروق کے چند اوراق

خلیفہ اوّل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا۔ حضرت عمر بھی خلیفہ اول کی طرح تجارت کیا کرتے تھے۔ جب خلیفہ بنے کاروبار ترک کرنا پڑا۔ چنانچہ کبار صحابہ نے مشورہ کر کے آپ کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ جس سے آپ کے اہل و عیال کا بمشکل گزارہ ہوتا تھا۔ حضرت عمر نے خوشی سے وہ وظیفہ قبول کر لیا۔

تھوڑے دنوں میں اسلام کی فوجوں نے ایران، شام اور مصر کے ملک فتح کر لیے۔ اسلامی سلطنت کی حدیں دور دور تک پہنچ گئیں۔ صحابہ کو خیال آیا کہ خلیفۃُ المسلمین کے گزارہ کی جو رقم ہم نے مقرر کی ہے وہ بہت تھوڑی ہے۔ اسے زیادہ کر دینا چاہیے۔ لیکن کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ حضرت عمر کے ساتھ کھل کر یہ بات کر سکے۔ کافی سوچ بچار کے بعد آپ کی صاحبزادی ام المومنین حفصہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ آپ مہربانی کر کے یہ بات اپنے ابا جان سے منوا دیجیے۔

حضرت حفصہ نے ایک موقع مناسب سمجھ کر آپ سے بات کی تو آپ کا چہرہ غصے سے سُرخ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا:

" حفصہ! تو ہی بتا کہ خدا کے پیارے پیغمبر نے تمہارے گھر میں کونسا اچھے سے اچھا لباس زیب تن فرمایا؟"

حضرت حفصہ نے جواب دیا:

" آنحضرت ﷺ کے پاس دو گیروئے رنگ کے کپڑے تھے۔ جو آپ جمعۃ المبارک کے دن پہن لیتے یا جب باہر سے لوگ ملنے کے لیے آتے تو آپ زیب تن فرمالیا کرتے تھے۔"

حضرت عمر نے پھر فرمایا:

" بھلا یہ تو بتا کہ خدا کے پیغمبر نے اچھے سے اچھا کھانا کون سا کھایا؟"

حضرت حفصہ نے فرمایا:

" عام طور پر جو کی روٹی کھایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ روٹی پک رہی تھی۔ آپ تشریف لائے۔ ہم نے گرم گرم روٹی کو گھی سے چپڑ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی خوشی سے کھایا اور اپنے ساتھیوں کو بھی کھلایا۔"

حضرت عمر نے تیسری مرتبہ دریافت فرمایا:

" حفصہ! تمہارے گھر رسول اللہ ﷺ کا بستر کیسا تھا؟"

فرمایا:

" ہمارے پاس ایک موٹا سا کپڑا تھا۔ موسم گرما میں اس کی چار تہیں کر کے زمین پر بچھا لیتے تھے اور موسم سرما میں آدھا نیچے اور آدھا اوپر لے لیتے تھے۔"

حضرت عمر نے یہ سب کچھ دریافت کرنے کے بعد فرمایا:

" حفصہ! میری یہ بات ان لوگوں تک پہنچا دے جو میرا وظیفہ بڑھانا چاہتے ہیں کہ خدا کے پیغمبر نے دنیا میں رہنے کی ایک حد ہمیں بتا دی ہے۔ میں جب تک زندہ رہوں گا۔ اپنے پیارے کے قدم بقدم چلوں گا تم یہ سمجھ لو کہ تین ساتھی راستے میں چل رہے تھے پہلے کے پاس زادِ راہ بھی تھا وہ منزل پر بھی پہنچ گیا (پیغمبر خدا)۔ دوسرا پہلے کے پیچھے چلا گیا (ابو بکر صدیق) وہ بھی اپنے ساتھی کو جا ملا۔ تیسرا ابھی راستہ میں ہی ہے (حضرت عمر)۔ اگر اس کی دلی مراد یہی ہے کہ اپنے پہلے دو ساتھیوں سے جا ملے تو اسے بھی وہی طریق اختیار کرنا چاہیے جو پہلوں نے کیا۔ اگر وہ طریقہ چھوڑ دے تو پھر پہلوں سے ملنے کی کیا صورت ہے؟"

ذرا یہ بھی سوچ لو کہ حضرت عمر نے خود وظیفہ بڑھانے کی بات نہیں چھیڑی۔ صحابہ کا اپنا خیال تھا کہ خلیفۃ المسلمین کا گزارا تنگ ہے، رقم بڑھا دینی چاہیے۔ لیکن حضرت عمر یہ بات نہ مانے۔ ان کی حالت کیا تھی؟

ایک دفعہ آپ خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ جو چادر اوڑھے ہوئے تھے اسے بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ ایک دفعہ جمعہ کی نماز پڑھانی تھی آپ کو تھوڑی سی دیر ہو گئی تو سب سے معافی مانگی۔ فرمایا:

" میں نے کپڑے دھو کر سکھانے کو ڈالے۔ جلد نہ سوکھ سکے۔ اور کپڑے ہی نہیں تھے جو پہن کر آجاتا۔"

ایک دن کھانا کھانے لگے۔ ایک آدمی ملاقات کے لیے آگیا۔ آپ نے اسے بھی ساتھ بٹھا لیا۔ موٹے آٹے کی خشک روٹی تھی اور آتا چھانا بھی نہیں تھا۔ سالن کی بجائے زیتون کا تیل تھا۔ وہ آدمی ساتھ تو بیٹھ گیا لیکن لقمہ حلق سے نیچے نہیں اترتا تھا۔ آخر بولا:

" آٹا چھان نہ لیا؟"

حضرت عمر نے فرمایا:

" سب مسلمان چھانے ہوئے آٹے کی روٹی کھاتے ہیں۔"

اس نے کہا:

"نہیں۔"

آپ نے فرمایا:

"کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں سارے مزے دنیا میں ہی لے لوں اور آخرت کے لیے کچھ باقی نہ چھوڑوں ؟"

جس خلیفہ کے سر پر بارہ پیوندوں والی چادر تھی جس کا گزارہ موٹے آٹے کی سوکھی ہوئی روٹی پر تھا۔ اس کی فوجیں ایران، روم اور مصر کی سلطنتوں کی عزت کو خاک میں ملا چکی تھیں اور جن بادشاہوں نے صدیوں میں جو دولت جمع کی ہوئی تھی وہ آج مدینۃ الرسول کی گلیوں میں رُل رہی تھی۔

ایران کے بادشاہ نے ایک دفعہ حضرت عمر کی خدمت میں اپنا ایک سفیر بھیجا۔ وہ سفیر بڑے بڑے دربار دیکھ چکا تھا۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر اعلیٰ لباس زیب تن کیا۔ سر پر تاج رکھا جو جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ اس نے شاید یہ سوچا تھا کہ جس بادشاہ کی فوجیں ایران جیسی مضبوط حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجا رہی ہیں اس کا دربار خدا جانے کتنی بڑی شان کا ہوگا۔ مدینے پہنچ گیا۔ اسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ لوگوں سے پوچھا۔ بھائیو! خلیفۃ المسلمین کہاں ملیں گے ؟ لوگوں نے کہا: "وہ مسجد میں ہوں گے۔"

سفیر مسجد میں پہنچا تو حضرت عمر کچے فرش پر لیٹے ہوئے تھے۔ یہ منظر دیکھتے ہی سفیر کانپنے لگا۔ گفتگو کرنے کا یارا نہ رہا۔ یہ رُعب، یہ ہیبت کپڑوں کی نہیں تھی۔ یہ وہ ہیبت تھی جو خدا کی طرف سے اس کے نیک اور پاک باز بندوں کو عطا ہوتی ہے۔

آپ وقت بے وقت پھرتے رہتے تھے۔ مدینہ منورہ سے دو دو چار چار میل باہر نکل جایا کرتے تھے۔ ایک دن دیکھا کہ ایک عورت چولہے کے پاس بیٹھ کر کچھ پکا رہی ہے اور اس کے پاس بچے بیٹھے رو رہے ہیں۔ آپ نے دریافت کیا۔ اماں یہ بچے کیوں روتے ہیں ؟

اماں نے جواب دیا:

"میرے پاس کھانے کو کچھ نہیں۔ بچے بھوکے تھے۔ میں نے ہانڈی چولہے پر رکھ دی ہے۔ تاکہ یہ سمجھ لیں کہ سالن پک رہا ہے۔ تھوڑی دیر میں یہ سو جائیں گے۔ میں بھی ہانڈی اتار کر اللہ اللہ کرنے لگ جاؤں گی۔"

حضرت عمر یہ سنتے ہی واپس لوٹے۔ مدینہ منورہ آ کر بیت المال سے کھانے پینے کی چیزیں نکالیں۔ گٹھڑی باندھ کر سر پر رکھنے لگے تو خادم نے کہا جناب گٹھڑی مجھے چکا دیجیے۔"

آپ نے فرمایا: "قیامت کے دن بھی تو میرا بوجھ اٹھائے گا ؟"

گٹھڑی لے کر اس اماں کے پاس پہنچے اور فرمانے لگے: "اماں جان! لیجیے آپ روٹی پکایئے۔"

آپ چولہے میں آگ جلا رہے تھے۔ روٹی تیار ہو گئی۔ بچوں نے پیٹ بھر کر کھائی اور اچھلنے کودنے لگے۔ اماں نے کہا: بھائی سچی بات تو یہ ہے کہ خلیفہ تجھے بننا چاہیے تھا۔ عمر اس قابل نہیں۔"

اس بیچاری کو کیا خبر تھی کہ اس کے لیے یہ ساری چیزیں خود حضرت عمر ہی لائے ہیں۔

ایک مرتبہ رات کو گشت کر رہے تھے۔ ایک بدوی کے خیمے کے آگے جا پہنچے۔ بدوی باہر بیٹھا تھا۔ اندر اس کی بیوی کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ آپ نے دریافت کیا۔ کیا بات ہے ؟ بدوی نے کہا۔ میری بیوی کے بچہ ہونے والا ہے، پاس کوئی عورت نہیں۔"

حضرت عمر وہیں سے واپس مڑے۔ گھر سے آ کر اپنی بیوی کو ساتھ لیا۔ آپ بدوی کے پاس باہر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ اپنی بیوی کو بدوی کی بیوی کے پاس خیمے کے اندر بھیج دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت عمر کی بیوی نے اندر سے آواز دی کہ امیر المومنین! مبارک ہو تمہارے دوست کو خدا نے لڑکا عطا فرمایا ہے۔

بدوی نے امیر المومنین کا نام سنا تو گھبرا گیا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ "بھائی گھبرانے کا کیا مطلب ؟ سویرے میرے پاس آؤ، میں بچے کا وظیفہ لگا دوں گا۔"

کئی مرتبہ ملک کا دورہ کیا۔ کبھی کوئی خیمہ ساتھ نہ لیا۔ دھوپ ہوتی تو کسی درخت کے سایہ میں جا بیٹھتے یا اپنے کمبل کا تان کر سایہ کر لیتے۔ زمین پر ہی بیٹھتے زمین پر ہی سوتے۔

ان کی خلافت کا پانچواں سال تھا۔ ملک میں قحط پڑ گیا۔ حضرت عمر نے گوشت کھانا بھی چھوڑ دیا۔ گھی کھانا بھی چھوڑ دیا۔ ایک دن پیٹ میں گڑبڑ ہوئی۔ آپ نے اپنے پیٹ میں انگلی چبھو کر فرمایا کہ جب تک قحط ہے تجھے وہی کچھ کھانے کو ملے گا جو آج کل ملتا ہے۔

دیکھی امیر المومنین کی شان! چھنا ہوا آٹا اس لیے ترک کیا کہ سارے مسلمان چھنا ہوا آٹا نہیں کھا سکتے تھے۔ قحط پڑنے پر وہ چیزیں بھی کھانی ترک کر دیں جو مسلمانوں کو نصیب نہیں ہوتی تھیں۔

مدینہ کے جو غازی میدانِ جنگ میں چلے جاتے تھے۔ آپ ان کے گھروں میں جاتے۔ جن کو سودا لا کر دینے والا کوئی نہیں تھا۔ انہیں سودا لا دیتے۔ کوئی خط آتا۔ آپ لے کر غازی کے گھر جا کر اس کے بچوں کو سنا کر آتے۔ باہر کی دہلیز پر بیٹھ جاتے۔ گھر والے جو جواب لکھاتے وہ اپنے ہاتھ سے لکھتے۔

فیروز نامی ایک مجوسی غلام آپ پر کسی وجہ سے ناراض ہو گیا۔ ایک دن آپ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ غلام نے چھرا نکال کر چھ زخم لگائے۔ آپ گر پڑے۔ لوگوں نے اٹھا کر گھر پہنچایا۔ جب آپ کو یقین ہو گیا کہ اب آخری وقت آ گیا ہے اور بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو آپ نے

بڑے بڑے صحابہ سے مشورہ کر کے چھ آدمیوں کے نام تجویز کر دیئے ان میں سے جسے چاہو خلیفہ منتخب کرلو۔

اس کام سے فارغ ہو کر اپنے صاحبزادے عبد اللہ کو بلا کر فرمایا:

" یہ رقم میرے مال سے پوری کر کے بیت المال میں جمع کر دو۔ میرا مال تھوڑا ہو تو میرے خاندان والوں کو کہنا کہ وہ رقم پوری کر دیں۔"

امیر معاویہ نے حضرت عمر کا مکان پوری رقم دے کر خرید لیا۔ یہ رقم بیت المال میں جمع کرا دی گئی۔

مسلمانوں کا دوسرا خلیفہ اس دنیا سے رخصت ہوا تو اس کے ذمہ مسلمانوں کی ایک کوڑی بھی نہیں تھی۔ ساری امت پر خلیفہ کے احسانات کا اتنا بوجھ تھا کہ کسی کی گردن اوپر نہیں اٹھ سکتی تھی۔

پھر اپنے صاحبزادے کو فرمایا:

" حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کر، عمر کی تمنا یہ ہے کہ اپنے ساتھیوں کے پاس دفن ہو۔"

حضرت عائشہ نے بخوشی اجازت دے دی۔

آپ بڑے خوش ہوئے اور ساتھ ہی فرمایا کہ

" میری روح پرواز کر جائے تو ایک دفعہ پھر جا کر اجازت طلب کرنا۔ شاید حضرت عائشہ کا ارادہ بدل جائے۔ ان کی اجازت کے بغیر مجھے وہاں دفن نہ کرنا۔

وفات سے تھوڑی دیر پہلے فرمایا:

" میرے کفن پر زیادہ رقم نہ خرچ کرنا۔ اگر خدا کے دربار میں میری حالت اچھی ہو گی تو مجھے اچھے سے اچھا لباس مل جائے گا۔ اگر وہاں حالت اچھی نہ ہوئی تو تمہارا قیمتی کفن مجھے کیا فائدہ دے گا۔ میرے جنازے کے ساتھ کوئی عورت نہ جائے۔ جنازہ تیار ہو جانے پر جلد از جلد مجھے دفن کر دینا۔ اگر میں خدا کی رحمت کا حق دار ہوں تو ضروری ہے کہ جلدی اس رحمت سے فائدہ اٹھاؤں۔ اگر خدا کی رحمت کا حق دار نہیں تو برے آدمی کا بوجھ جتنی جلدی اپنے کندھوں سے اتار پھینکو بہتر ہو گا۔"

خدا کے پیغمبر اور حضرت ابو بکر صدیق کی طرح حضرت عمر نے بھی تریسٹھ سال کی عمر پائی اور رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مبارک میں تیسری قبر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بنائی گئی۔

یہ اسلامی حکومت کا دوسرا نقشہ تھا۔ جس زمانے میں اسلام کی برکتیں دور دور پہنچیں۔ اسی زمانے میں وہ ساری بشارتیں پوری ہو گئیں جو رسول پاک ﷺ نے امت کو دی تھیں۔ ان پاک نمونوں کی پیروی کی جائے تو دنیا پھر اسی طرح بہشت بن جائے جیسے ایک دفعہ بن چکی ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

عقل و صداقت

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے:

" لا تنظروا الی صلاۃ امرئٍ ، و لا صیامه و لکن انظروا الی عقله و صدقه۔"

" آدمی کے نماز روزے دیکھ کر اس کے بارے میں فیصلہ نہ کرو بلکہ اس کی سمجھداری اور صداقت کی طرف دھیان دو۔"

عمر بن الخطاب لصالح بن عبد الرحمٰن بن عبد اللہ، ص 66

پروفیسر عبد العظیم جانباز

سرمایہ قیادت و سعادت
حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نام و نسب

اسم گرامی عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن قرت بن زراع بن عدی بن کعب بن لوئی بن فہر بن مالک، کنیت ابو حفص اور لقب فاروق ہے، آپ کے والد کا نام خطاب اور آپ قریش کی شاخ بنو عدی سے تعلق رکھتے تھے جب کہ والدہ کا نام حنتمہ بنت ہشام بن مغیرہ تھا۔ (روشن ستارے، ص 50)

آپ کی پیدائش مشہور روایات کے مطابق ہجرت نبوی کے چالیس برس قبل ہوئی، آپ کے بچپن کے حالات و واقعات کے حوالے سے تاریخ خاموش ہے۔(الفاروق: 30)

جوانی

سن شباب میں حضرت عمر فاروق نے علم انساب اپنے والد سے سیکھا اور اس میں مہارت حاصل کی، شہسواری میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا کہ آپ گھوڑے پر کود کر اس طرح سوار ہوتے کہ جلد بدن ہو جاتے تھے۔ آپ شعر و شاعری، خطاطی، خطابت، پہلوانی اور سپہ گری کے فنون پر عبور حاصل ہونے کے علاوہ تجارت کے اسرار و رموز سے بھی واقف تھے۔

قبولِ اسلام

حضرت عمر فاروق کا قبول اسلام بھی قابل رشک ہے، پیغمبر اسلام ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ یا اللہ ! عمر یا ابو جہل میں سے جو تجھے پسند ہو اسلام کو اس سے قوت عطا فرما، اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء کی دعا کو حضرت عمر کے حق میں قبول فرمایا، کفار مکہ کی مشاورت میں آپ کو حضرت محمد ﷺ کو نعوذ باللہ شہید کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی، آپ اس مقصد کے حصول کے لیے نکلے مگر بہن اور بہنوئی کے قبول اسلام اور استقامت کی وجہ سے دل نرم پڑ گیا، بارگاہِ نبوت میں اسلام قبول کرنے کی غرض سے حاضر ہو کر نبی کریم ﷺ کے دستِ اقدس پر کلمہ اسلام پڑھا، اس وقت آپ کی عمر مبارک چھبیس سال تھی، حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کا اسلام لانا فتح و نصرت تھا اور ان کی ہجرت مسلمانوں کی مدد اور اعانت ثابت ہوا اور ان کی خلافت امت کے لیے رحمت تھی۔

نبی کریم ﷺ کے ساتھ تعلق

حضرت عمر فاروق کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ سلسلہ نسب آٹھویں پشت سے ایک ہو جاتا ہے، ام المومنین سیدہ حضرت حفصہ حضرت عمر فاروق کی بیٹی تھیں اس لحاظ سے آپ کو خسر پیغمبر ﷺ ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضور ﷺ کی نواسی اور حضرت علی کی صاحبزادی آپ کے عقد میں تھیں۔

حضرت عمر نے سب سے پہلے بیت اللہ میں اللہ کا نام بلند کیا، آپ سفر و حضر میں پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ باوفا ساتھی، مخلص مشیر وزیر کی طرح رہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا : میرے آسمانوں پر دو وزیر جبرائیل و میکائیل اور زمین پر دو وزیر ابو بکر و عمر ہیں۔ (مشکوٰۃ)

حضرت عمر نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سات سالہ مکی اور دس سالہ مدنی زندگی میں کسی موقع پر نبی کریم ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑا، ستائیس غزوات میں شرکت فرمائی اور تمام اہم فیصلوں میں آپ کی رائے کو اہمیت دی جاتی تھی، قرآنِ پاک کی ستائیس آیات آپ کی رائے کے مطابق نازل ہوئیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ عمر کی زبان پر اللہ نے حق کو جاری کر دیا ہے۔ (بیہقی)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس راستہ سے عمر گزرتا ہو شیطان وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے۔ (مسلم، بخاری)

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے جنت کے احوال کا ذکر فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا وہاں ایک خوبصورت محل دیکھا، مجھے بتایا گیا کہ یہ عمر بن خطاب کا محل ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا دل چاہا کہ میں وہ محل دیکھوں مگر اے عمر ! مجھے تیری غیرت یاد آ گئی اس لیے میں اندر نہیں گیا، ایک دفعہ حضور ﷺ، سیدنا ابو بکر اور سیدنا عمر کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کے جا رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ہم تینوں اسی طرح اٹھائے جائیں گے، امت کو شیخین کی حیثیت ان الفاظ

میں ارشاد فرمائی کہ میرے بعد ابو بکر و عمر کی اقتدا کرنا۔(مشکوۃ)

حضور ﷺ کے ساتھ محبت کی ادنیٰ سی جھلک یہ ہے کہ اپنی فقید المثال بہادری کے باوجود حضور ﷺ کی وفات کی حالت کا تحمل نہ فرما سکے، سخت حیرانی و پریشانی کی حالت میں تلوار لے کر کھڑے ہو گئے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضور ﷺ فوت ہو گئے ہیں تو اس کی گردن اڑا دوں گا، حضور ﷺ تو اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر تشریف لے گئے تھے عنقریب حضور ﷺ واپس تشریف لائیں گے اور ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے جو حضور ﷺ کے فوت ہونے کی جھوٹی خبر اڑا رہے ہیں، آپ کو جب نبی کریم ﷺ کا زمانہ یاد آتا تو آپ رونے لگتے اور روتے روتے بے ہوش ہو جاتے۔(بخاری، مسلم)

خلیفۃ الرسول ﷺ جناب صدیق اکبر کے دور مبارک میں آپ نے امورِ خلافت میں بہترین مشیر و وزیر کا فریضہ سر انجام دیتے رہے یہاں تک کہ حضرت ابو بکر صدیق نے آپ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تو صحابہ نے آپ کے سخت مزاج ہونے پر کلام کیا تو حضرت صدیق اکبر نے ان تاریخی الفاظ میں آپ کی غیر معمولی حیثیت کو واضح فرمایا کہ میں اللہ سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو امیر مقرر کیا جو تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا تھا۔

محاسبہ نفس اور امانت داری

بارِ خلافت سنبھالنے کے بعد جناب عمر فاروق نے امورِ خلافت کو نظم و ضبط اور عدل و انصاف کے ساتھ اس انداز میں چلایا کہ اس مثال سے طبقہ سلاطین عاجز ہیں، آپ ادنیٰ سے ادنیٰ بات پر اپنا محاسبہ فرماتے تھے، آپ کا ضمیر ہمہ وقت بیدار رہتا تھا، سب سے اہم بات یہ تھی کہ آپ نے کبھی اپنی ذات کو اہمیت نہیں دی، آپ فرماتے تھے کہ امت کا مال اسی طرح میری نگرانی میں رہے گا جس طرح یتیم کے مال کی حفاظت کی جاتی ہے، آپ نے ہمیشہ زہد و تقویٰ اور درویشی والی زندگی گزاری، آپ کو نبی کریم ﷺ اور جناب صدیق اکبر کا طرزِ زندگی پسند تھا، آپ فرماتے تھے کہ میرے دو رفیق ہیں، ان دونوں نے خاص انداز میں زندگی کے دن کاٹے ہیں، میری خواہش ہے کہ میں ہو بہو ان کے طریق پر چلوں کیونکہ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو میری مثال سے دوسرے بھی آنحضرت ﷺ اور صدیق اکبر کے طریقوں سے انحراف کریں گے۔(خلفاء الراشدین)

ابو لؤلؤ فیروز مجوسی کے وار کی وجہ سے آپ کو گہرے زخم لگ چکے تھے جب آپ کو اس بات کا یقین ہو چکا کہ اب صحت یاب ہونا ممکن نہیں تو آپ نے ان تمام رقوم کا حساب لگوایا جو آپ کے نزدیک بیت المال کا قرض تھیں، یہ رقوم آٹھ ہزار درہم سے زائد تھیں، آپ نے اپنے صاحبزادے کو فرمایا کہ وہ اس رقم کو بیت المال میں ادا کر دے، آپ کی شہادت کے دس دن بعد وہ ساری رقم ادا کر دی گئی۔ در حقیقت یہ آپ کا بحیثیت خلیفہ اپنی اور اپنی اولاد کی کفالت کے لیے بیت المال سے لی گئی رقم کا مجموعہ تھا۔

جنگیں اور فتوحات

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق کے دورِ خلافت میں خلافتِ اسلامیہ کا پھیلاؤ (2251030) مربع میل تک پھیل گیا تھا، آپ کے مقبوضہ علاقوں میں اہم عراق، جزائر، خوزستان، شام، عجم، آرمینیا، آزر بائیجان، فارس، کرمان، خراسان اور مکران جس میں بلوچستان کا کچھ حصہ آ جاتا ہے شامل تھا۔ آپ کے دورِ خلافت میں معرکۃ الآراء جنگیں لڑیں گئیں، آپ کے مشہور سپہ سالاروں میں ابو عبید، ابو عبیدہ، مثنیٰ، قعقاع بن عمرو، معاذ بن جبل، سعد بن ابی وقاص، عمرو بن عاص اور خالد بن ولید رضی اللہ عنھم ہیں جنھوں نے عزم و استقلال اور بہادری کی لازوال داستانیں رقم کیں، مشہور جنگوں میں عراق کے مختلف محاذوں پر ایرانیوں کے خلاف لڑے جانے والے معرکوں میں جنگ جسر، یوم العماس اور جلولاء کے علاوہ قادسیہ کی عظیم فتح، شام کے عظیم معرکوں میں دمشق، فحل، حمص اور یرموک کا معرکہ جب کہ مصر کے معرکوں میں فسطاط اور اسکندریہ کی فتح اسلامی تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہیں۔

حضرت عمر فاروق کے دورِ خلافت میں ایک اہم سنگ میل جس پر امت مسلمہ اور اہل کتاب ہر دو کو فخر ہے وہ بیت المقدس کی فتح ہے 16 ہجری بمطابق 637 عیسوی حضرت ابو عبیدہ نے بیت المقدس کا محاصرہ کیا، قلعہ بند ہو کر لڑتے رہے، عیسائیوں نے ہمت ہار کر صلح کی درخواست کی اور مزید اطمینان کے لیے یہ شرط اضافہ کی کہ خلیفۃ المسلمین عمر خود آئیں اور معاہدہ صلح ان کے ہاتھوں سے لکھا جائے۔ مشاورت کے بعد حضرت عمر کا جانا طے ہوا، آپ نے حضرت علی کو اپنا نائب مقرر کر کے خلافت کے کاروبار ان کے سپرد کیے، جابیہ کے مقام پر بیت المقدس کا معاہدہ لکھا گیا، اس کے بعد حضرت عمر نے بیت المقدس کا ارادہ کیا، جو گھوڑا آپ کی سواری میں تھا اس کے سم گھس چکے تھے اور رک رک کے چلتا تھا، آپ یہ دیکھ کر اتر پڑے، لوگوں نے ترکی گھوڑے پیش کیے، مگر آپ پیادہ پا ہی رہے یہاں تک کہ بیت المقدس قریب آ گیا،

حضرت ابو عبیدہ اور دیگر کمانڈر آپ کے استقبال کے لیے آئے، آپ نہایت سادہ لباس اور معمولی حیثیت کا ساز و سامان ساتھ لیے ہوئے تھے، کچھ مسلمانوں نے قیمتی لباس اور اعلیٰ نسل کی سواری پیش کی، آپ نے رد عمل میں فرمایا کہ اللہ نے جو عزت ہمیں دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لیے یہی کافی ہے۔ (بخاری، مسلم)

21 ہجری میں حضرت عمر نے نئی فتوحات کو منظم کرنے اور لشکر کشی کے لیے متعدد علم تیار کر کے جدا جدا ممالک کے افسران کے حوالے کیے جن میں خراسان کا علم احنف بن قیس، سابور اور خیبر کا مجامع بن مسعود، اصطخر کا عثمان بن عاص ثقفی، افساء کا ساریہ بن زنیم ہنانی کو، کرمان کا سہیل بن عدی کو، سیستان کا عاصم بن عمروکو، مکران کا حکم بن ومیر غلبی کو اور آذر بائیجان کا عتبہ بن فرقد کو سپرد کیا۔

نظم ونسق خلافت فاروقی

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق کی خلافت کا بنیادی اصول مجلس شوریٰ کا انعقاد تھا یعنی پارلیمنٹ کا باضابطہ قیام سب سے پہلے آپ کے دورِ خلافت میں کیا گیا، جب بھی کوئی انتظامی معاملہ پیش آتا تو ہمیشہ ارباب شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی اور کوئی امر بغیر مشاورت اور کثرت رائے کے طے نہ کیا جاتا تھا، مجلس شوریٰ کے اہم ارکان میں حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت شامل تھے۔

حضرت عمر فاروق نے اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے 20 ہجری میں ملک کو 8صوبوں میں تقسیم کیا، آپ کے مقرر کردہ صوبوں میں مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین شامل تھے۔ ہر صوبے میں انتظامی افسران جن میں والی صوبہ (حاکم)، کاتب یعنی میر منشی، کاتب دیوان یعنی دفتر فوج کا میر منشی، صاحب الخراج یعنی کلکٹر، افسر پولیس، افسر خزانہ، قاضی یعنی صدر الصدور و منصف مقرر ہوتے تھے۔ آپ جس کو بھی عامل مقرر فرماتے تھے، اس کو ایک فرمان جاری کرتے، جس میں اس کی تقرری، اختیارات اور فرائض مذکور ہوتے تھے۔ عاملوں سے جن باتوں کا عہد لیا جاتا تھا ان میں ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہونا، باریک کپڑا نہ پہننا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے، دروازے پر دربان نہ رکھنے اور اہل حاجت کے لیے ہمیشہ دروازہ کھلا رکھنے کا عہد شامل ہوتا تھا۔

ہر سال حج کے زمانے میں تمام عمال عوامی احتساب کے لیے اپنے آپ کو پیش کرتے تھے، کھلی کچہری میں عوامی شکایات کو سنا جاتا تھا اور اس کے تدارک کے احکامات جاری کیے جاتے تھے، عمال پر عائد الزامات کی تحقیقات کے لیے تحقیقاتی کمیشن قائم تھا۔

خراج کا نظم ونسق

خراج کا طریقہ عربی میں حضرت عمر فاروق نے ایجاد کیا، خراج کا نظم و نسق عرب کی تاریخ و تمدن میں نیا اضافہ اس وزارت میں سب سے انقلابی اقدام زمینداری اور ملکیت زمین کا جو قدیم قانون اور بالکل جابرانہ تھا مٹا دیا۔ زراعت کی ترقی کے لیے آپ نے کئی اہم نہریں تیار کروائیں، جن میں نہر ابی موسیٰ جس کی لمبائی 9 میل تھی اہل بصرہ کے لیے کھدوائی گئی، جس کے ذریعے اہل بصرہ کو گھر گھر پانی کی سہولت میسر آئی۔ نہرمعقل یہ دجلہ سے کاٹ کر لائی گئی، نہر سعد، نہر امیر المومنین، یہ نہر امیر المومنین کے حکم پر کھدوائی گئی، اس نہر کے ذریعے دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا، اس نہر کی لمبائی 29 میل تھی نہر کو چھ ماہ کی ریکارڈ مدت میں تیار کیا گیا۔

محکمہ قضاء

یہ محکمہ اسلام میں حضرت عمر فاروق کی بدولت وجود میں آیا، آپ کے دورِ خلافت کے مشہور قاضی زید بن ثابت، عبادہ بن صامت، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنھم، قاضی شریح، جمیل بن معمر جمحی، ابو مریم خفی، سلمان بن ربیعہ باہلی، عبد الرحمن بن ربیعہ، ابو قرۃ کندی اور عمران بن حصین تھے، قاضی کا تقرر امتحان و تجربہ کی بنیاد پر کیا۔

پولیس و جیل خانہ جات

عرب میں با ضابطہ طور پر جیل کے قانون کا کوئی تصور نہیں تھا، حضرت عمر نے مکہ مکرمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار میں خرید کر جیل خانہ بنوایا، پھر اس سلسلے کو باقی صوبوں اورا ضلاع تک پھیلایا گیا، آپ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے درمیانی راستے میں چوکیاں اور سرائے تعمیر کروا کر حاجیوں اور دیگر مسافروں کی آمد و رفت کو سہل اور پر امن بنایا۔

محکمہ مال (بیت المال)

محکمہ مال کا شعبہ حضرت عمر کے تجدیدی کارناموں میں سے ایک ہے، سب سے پہلے دار الخلافہ مدینہ میں مرکزی بیت المال قائم کیا گیا جس کے امین حضرت عبد اللہ بن ارقم کو مقرر کیا گیا، دار الخلافہ کے علاوہ صوبہ جات اور اضلاع کے صدر مقامات میں بھی بیت المال قائم کیے گئے، اس محکمہ کے لیے علیحدہ عمارتیں بنوائی گئیں، صوبہ جات کے دفاتر میں بقدر ضرورت رقم رکھنے کے بعد سال کے اختتام پر بقیہ رقم مرکزی بیت المال مدینہ منورہ بھی دی جاتی تھی۔

فوجی نظام اور چھاؤنیاں

اس شعبہ کو دورِ فاروقی میں اس قدر منظم اور پائیدار بنا دیا گیا کہ وہ دوسری اقوام کے لیے قابل تقلید اور باعث تعجب ثابت ہوا۔ 15 ہجری میں آپ نے محکمہ فوج کو منظم و مرتب فرمایا، انصار و قریش کے کوائف جمع کیے گئے، اسلام میں خدمات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے تنخواہیں مقرر کی گئیں اور کارکردگی کی بنیاد پر وقتاً فوقتاً اس میں اضافہ ہوتا رہتا تھا، 11 بڑے فوجی مراکز اور حصوں میں ملک کو تقسیم کیا گیا جن میں مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، مصر، دمشق، حمص، اردن اور فلسطین شامل تھے، مرکزی شہروں میں فوجی چھاؤنیاں اور فوجیوں کے رستے کے لیے رہائشی کالونیاں قائم کی گئیں، ہر جگہ بڑے بڑے اصطبل خانے جن میں تقریباً چار ہزار گھوڑے ہمہ وقت تیار رہتے تھے، فوجیوں کی جنگی تربیت کے علاوہ ان کے قیام اور رخصت سے متعلق قوانین کا اجراء کے بہت سے تجدیدی کام آپ کے دورِ خلافت میں شروع کیے گئے۔

شعبہ تعلیم و تربیت

امیر المومنین نے تمام بلادِ اسلامیہ میں مکاتب قائم کیے جن میں کبار صحابہ کرام معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت، ابودرداء، عبد اللہ بن مسعود اور اہل علم کو فریضہ تعلیم کے لیے مامور کیا گیا تھا، مدرسین و معلمین کی تنخواہیں مقرر کی گئیں، ان کی رہائشوں کے انتظامات کیے گئے تھے، قرآن پاک کی تعلیم کے ساتھ ساتھ علم حدیث، علم فقہ، ادب اور لغت عربیہ کی تعلیم کو لازمی قرار دیا گیا تھا، ان مکاتب میں نو مسلموں کی تعلیم و تربیت کا خصوصی التزام کیا جاتا تھا۔

مساجد کی تعمیر اور نظم

مرکز اسلامی حرم مکی اور مسجد نبوی کی توسیع کرنے کے ساتھ ساتھ خلافت کے طول و عرض میں چار ہزار مساجد تعمیر کروائیں، ہر شہر و قصبہ میں امام و مؤذن مقرر کیے جن کی مقرر کردہ تنخواہیں بیت المال سے ادا کی جاتی تھیں۔

مردم شماری، آمد و رفت کے لیے مرکزی شاہراؤں اور مہمان خانوں کے قیام، سکہ کا اجراء، محکمہ ڈاک اور ہر شعبہ حکومت کے لیے تحریر اور رجسٹر کا اہتمام آپ کے وہ درخشندہ کارنامے ہیں جو بعدمیں آنے والوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئے۔

قابل غور امر یہ ہے کہ چودہ سو سال سے زائد عرصہ بیت جانے کے باوجود عمر لاز مغرب کے لیے سامان سکون اور نظم حکومت کے لیے مسودہ کی حیثیت رکھتا ہے مگر حضرت عمر فاروق کی محبت کا دم بھرنے والے، ان کو اپنا مقتدا اور پیشوا کہنے والے ان کے طرزِ خلافت و اندازِ حکمرانی سے عملاً دور اور بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں، امت مسلمہ اپنے عروج اور کھوئے ہوئے مقام کو اس وقت تک نہیں حاصل کر سکتی جب تک ہم اپنے اسلاف کی متعین کردہ راہوں اور اصولوں کو اہمیت نہیں دیں گے۔

☆☆☆☆☆

چند سنہرے اصول

محمد بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا:

"لایعنی کاموں میں نہ پڑو، اپنے دشمن سے دور رہو، اپنے دوست سے احتیاط برتو مگر جو امین ہو کیونکہ امین آدمی کے برابر کوئی چیز نہیں ہے اور فاجر کے ساتھی نہ بنو کہ وہ تمہیں بھی گناہ سکھائے گا اور اس کو اپنا راز نہ بتاؤ اور اپنے معاملات میں ان لوگوں سے مشورہ لو جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔"

ابو محمد معتصم باللہ

احکام قضاء سے متعلق حضرت عمر کا ایک مکتوب

احکام قضاء سے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک بیش قیمت مکتوب گرامی ملتا ہے جو انہوں نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا جب وہ بصرہ کے گورنر تھے۔ گو اس مکتوب کی اسناد ضعیف ہیں مگر اس روایت کے شواہد اور متابعات ملتے ہیں۔ احکام قضاء سے متعلق اس کے متن سے قضاۃ استفادہ کرتے ہیں مشہور مؤرخ و قاضی امام ابن خلدون نے بھی اپنے مقدمہ میں اسے درج کیا ہے۔ امام دارقطنی نے اپنی سنن میں اور امام بیہقی نے " معرفۃ السنن و الآثار " میں اسے روایت کیا ہے۔

مکتوب گرامی حسب ذیل ہے :

" أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ الْقَضَاءَ فَرِيضَةٌ مُحْكَمَةٌ وَ سُنَّةٌ مُتَّبَعَةٌ ، فَافْهَمْ إِذَا أُدْلِيَ إِلَيْكَ بِحُجَّةٍ ، وَ أَنْفِذِ الْحَقَّ إِذَا وَضَحَ ، فَإِنَّهُ لَا يَنْفَعُ تَكَلُّمٌ بِحَقٍّ لَا نَفَاذَ لَهُ ، وَ آسِ بَيْنَ النَّاسِ فِي وَجْهِكَ وَ مَجْلِسِكَ وَعَدْلِكَ حَتَّى لَا يَيْأَسَ الضَّعِيفُ مِنْ عَدْلِكَ وَ لَا يَطْمَعُ الشَّرِيفُ فِي حَيْفِكَ ، الْبَيِّنَةُ عَلَى مَنِ ادَّعَى وَ الْيَمِينُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ ، وَ الصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا صُلْحًا أَحَلَّ حَرَامًا أَوْ حَرَّمَ حَلَالًا ، لَا يَمْنَعُكَ قَضَاءٌ قَضَيْتَهُ بِالْأَمْسِ رَاجَعْتَ فِيهِ نَفْسَكَ وَ هُدِيتَ فِيهِ لِرُشْدِكَ أَنْ تُرَاجِعَ الْحَقَّ فَإِنَّ الْحَقَّ قَدِيمٌ وَ مُرَاجَعَةَ الْحَقِّ خَيْرٌ مِنَ التَّمَادِي فِي الْبَاطِلِ ، الْفَهْمَ الْفَهْمَ فِيمَا يُخْتَلَجُ فِي صَدْرِكَ مِمَّا لَمْ يَبْلُغْكَ فِي الْكِتَابِ أَوِ السُّنَّةِ ، اعْرِفِ الْأَمْثَالَ وَ الْأَشْبَاهَ ثُمَّ قِسِ الْأُمُورَ عِنْدَ ذَلِكَ فَاعْمَدْ إِلَى أَحَبِّهَا عِنْدَ اللَّهِ وَ أَشْبَهِهَا بِالْحَقِّ فِيمَا تَرَى وَ اجْعَلْ لِمَنِ ادَّعَى بَيِّنَةً أَمَدًا يَنْتَهِي إِلَيْهِ ، فَإِنْ أَحْضَرَ بَيِّنَةً أَخَذَ بِحَقِّهِ وَ إِلَّا وَجَّهْتَ الْقَضَاءَ عَلَيْهِ فَإِنَّ ذَلِكَ أَجْلَى لِلْعَمَى وَ أَبْلَغُ فِي الْعُذْرِ ، الْمُسْلِمُونَ عُدُولٌ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ إِلَّا مَجْلُودٌ فِي حَدٍّ أَوْ مُجَرَّبٌ فِي شَهَادَةِ زُورٍ أَوْ ظَنِينٌ فِي وَلَاءٍ أَوْ قَرَابَةٍ ، إِنَّ اللَّهَ تَوَلَّى مِنْكُمُ السَّرَائِرَ وَ دَرَأَ عَنْكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَ إِيَّاكَ وَالْقَلَقَ وَ الضَّجَرَ وَ التَّأَذِّيَ بِالنَّاسِ وَ التَّنَكُّرَ لِلْخُصُومِ فِي مَوَاطِنِ الْحَقِّ الَّتِي يُوجِبُ اللَّهُ بِهَا الْأَجْرَ وَ يُحْسِنُ بِهَا الذُّخْرَ ، فَإِنَّهُ مَنْ يُصْلِحُ نِيَّتَهُ فِيمَا بَيْنَهُ وَ بَيْنَ اللَّهِ وَ لَوْ عَلَى نَفْسِهِ يَكْفِهِ اللَّهُ مَا بَيْنَهُ وَ بَيْنَ النَّاسِ , وَ مَنْ تَزَيَّنَ لِلنَّاسِ بِمَا يَعْلَمُ اللَّهُ مِنْهُ غَيْرَ ذَلِكَ يَشِنْهُ اللَّهُ ، فَمَا ظَنُّكَ بِثَوَابِ غَيْرِ اللَّهِ عَزَّ وَ جَلَّ فِي عَاجِلِ رِزْقِهِ وَ خَزَائِنِ رَحْمَتِهِ ، وَ السَّلَامُ عَلَيْكَ۔"

" حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ قضاء ایک اہم فریضہ ہے اور پیروی کیے جانے کے لائق سنت ہے ، اچھی طرح سمجھ لو جب جھگڑا تمہارے پاس لایا جائے ، حق کو نافذ کرو جب کہ وہ واضح ہو جائے ، ایسا فیصلہ قطعی بے سود ہے جسے نافذ نہ کیا جا سکے۔ اپنے سامنے اپنی مجلس میں لوگوں کے درمیان برابری کا خیال رکھو تاکہ ضعیف تمہارے انصاف سے ناامید نہ ہوں اور امیر تمہاری بے جا حمایت کی لالچ نہ کریں۔ مدعی کے ذمے ثبوت ہے اور مدعی علیہ کے ذمے قسم۔ اور صلح مسلمانوں کے درمیان جائز ہے سوائے اس صلح کے جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دے۔ اگر کل تم کوئی فیصلہ کر چکے ہو اور آج تم پر ہدایت واضح ہوئی تو کل کا فیصلہ قبولِ حق کی راہ میں مانع نہ ہو کیونکہ حق قدیم ہے اور باطل پر جمود اختیار کرنے سے حق کو اختیار کرنا کہیں بہتر ہے۔ جن معاملات میں تم تک کتاب و سنت سے کوئی ہدایت نہیں پہنچی اور وہ تمہارے سینے میں کھٹکتے ہیں تو ان کو اچھی طرح سمجھو ، امثال و اشباہ (ملتے جلتے مسائل) سے واقفیت حاصل کرو پھر جو امور درپیش ہیں انہیں ان پر قیاس کرو اور جو تمہارے نزدیک اللہ کو زیادہ پسندیدہ ہو اور تمہیں حق سے قریب تر نظر آئے اسے اختیار کر لو۔ اگر کوئی مدعی کسی غیر موجود حق کا یا کسی معیادی ثبوت کا دعویدار ہو تو مقدمہ کی تاریخ دے دو ، اگر وہ ثبوت لے آئے تو اس کا حق اس کے حوالے کر دو ورنہ تم عذر تک پہنچ جاؤ گے (یعنی اس کے خلاف فیصلہ کرنے میں حق بجانب ہو گے)۔ مسلمان آپس میں سب عادل ہیں سوائے اس کے جس پر حد جاری ہو چکی ہو ، یا جس کی جھوٹی شہادت ثابت ہو چکی ہو ، یا جو ولاء اور قرابت میں متہم ہو ۔ بے شک اللہ تمہارے سرائر (پوشیدہ معاملات) سے واقف ہے اور تم پر دلائل واضح نہیں۔ خبردار رہو ! لوگوں کے فصلِ خصومات میں کبھی افسردگی ، اکتاہٹ اور لوگوں کو اذیت دینے کا باعث نہ بنو۔ کیونکہ یہ ان کا حق ہے۔ جس پر اللہ کی جانب سے اجر ملتا ہے۔ جس کی نیت خالص ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان اس کی کفایت کرتے ہیں اور جو لوگوں کے لیے اپنا ظاہر سنوارتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو عیب دار بنا دیتے ہیں ۔ لہٰذا اللہ کی طرف سے دنیا کے رزق اور اس کی رحمت کے خزانوں میں اس کے جواب سے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ تم پر اللہ کی سلامتی ہو۔"

یہ مکتوب گرامی علم و حکمت کا خزینہ ہے جس کے ذریعے مسلمان ممالک کے عمال و قضاۃ اپنی زندگی سنوار سکتے ہیں۔

رحمت بانو

حضرت عمر کا محاذ جنگ پر بھیجا گیا ایک مجاہدانہ مکتوب

خلیفہ اوّل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کے عہد میں مسلمانوں کی فتوحات کا آغاز ہو گیا تھا۔ حضرت عمر فاروق جب خلیفہ بنے تو ان کے سامنے سرحدوں پر جنگی محاذ زور و شور سے جاری تھیں۔ حضرت عمر ہی کے عہد میں مسلمانوں نے ایسی جنگیں لڑیں جو نہ صرف تاریخ اسلام کی بلکہ تاریخ عالم کی فیصلہ کن جنگیں تھیں۔ جنگِ یرموک اور جنگ قادسیہ کا شمار بلا شبہ ایسی ہی جنگوں میں ہوتا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح، حضرت خالد بن ولید، حضرت عکرمہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم وغیرہم مستقل محاذ جنگ پر مصروف عمل تھے اور مرکز خلافت سے مسلسل رابطے میں تھے۔

یرموک کے میدان میں جہاں اسلامی افواج حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کے زیرِ قیادت جمع تھے۔ اچانک معلوم ہوا کہ بازنطینی افواج مسلمانوں سے لڑنے کے لیے باہم متحد ہو کر اور ایک نئی قوت کے ساتھ لڑنے آ رہی ہیں۔ عیسائیوں کے لیے یہ جنگ ایک مقدس جنگ بن گئی تھی، ہر شخص جو ہتھیار چلانا جانتا تھا شریکِ جنگ ہونے کے لیے تیار ہو گیا۔ بازنطینی قلمرو کے ہزاروں مذہبی رہنما بھی شریک جنگ ہوئے جو وقتاً فوقتاً اپنی فوج کا مذہبی جوش و جذبہ بڑھاتے۔ عیسائی افواج کی تعداد لاکھوں میں جا پہنچی جب کہ مسلمان صرف 40 ہزار کی تعداد میں موجود تھے۔ سپہ سالار حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے محاذ جنگ سے فی الفور ایک خط مرکزِ خلافت امیر المومنین سیدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، جس میں لکھا کہ

"بزنطیوں نے سمندر اور خشکی سے ہمارے اوپر یورش کر دی ہے اور ہر اس مرد کو فوج میں بھرتی کر لیا ہے جو ہتھیار چلانے کے قابل ہو، ان کے ساتھ بشپ اور پادری بھی ہیں اور راہب جہاد کے لیے عبادت گاہوں سے نکل کر فوج کے ساتھ شریک ہو گئے ہیں، قیصر نے آرمینیہ، اور میسو پوٹامیہ (جزیرہ) کے صوبوں سے بھی فوجیں حاصل کی ہیں اور کل فوج کی تعداد چار لاکھ کے قریب ہے، جب مجھے ان حقائق کا علم ہوا تو میں نے مناسب نہ سمجھا کہ مسلمانوں کو دھوکہ میں رکھوں یا حقیقت سے بے خبر، صورت حال سے مطلع کر کے جب میں نے ان سے مشورہ کیا تو ان کی رائے ہوئی کہ سب لوگ شام کے کسی الگ تھلگ حصہ میں چلے جائیں اور اپنی فوج کو جو ادھر اُدھر بکھری ہوئی ہے جمع کر لیں، پھر جب آپ کے پاس سے کمک آ جائے تو دشمن سے لڑنے کے لیے جائیں، امیر المومنین بہت جلدی کیجیے اور فوج در فوج بھیجیے، اگر ایسا نہ ہوا اور مسلمان یہاں (یرموک) پڑے رہے تو سمجھ لیجیے وہ ہلاک ہوئے اور اگر وہ ڈر کر بھاگ گئے تو سمجھ لیجیے ان کا دین ایمان گیا، ان کا مدّ مقابل ایک ایسا غنیم ہے جس سے عہدہ بر آ ہونے کی ان میں صلاحیت نہیں ہے الّا یہ کہ اللہ ان کی مدد کے لیے فرشتے بھیجے یا خود کوئی فوج لے کر آئے۔"[1]

اس کے جواب میں حضرت عمر نے جو خط لکھا اس کے کلمات تاریخِ عزیمت میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ اپنی جرات ایمانی سے بھرپور اس مکتوب گرامی میں حضرت عمر نے میدانِ جہاد میں ایمان باللہ کی پوری کیفیت بیان کر دی ہے۔ حضرت عمر نے لکھا:

"اَخو ثَمالہ (عبد اللہ بن قرط) تمہارا خط لے کر آیا، تم نے لکھا ہے کہ رومیوں نے مسلمانوں پر سمندر اور خشکی کی راہ سے یورش کی ہے اور اپنے پادریوں اور راہبوں کو تم سے لڑانے لائے ہیں، بلا شبہ ہمارے مالک کو جس کی ہم ستائش کرتے ہیں اور جو ہمارا مشکل کشا ہے جس ذات گرامی نے ہم پر احسان کیے ہیں اور جو ہمیشہ ہمیں اپنی نعمتوں سے نوازتا رہا ہے ان پادریوں اور راہبوں کی موجودگی کا اس وقت علم تھا جب اس نے محمد ﷺ کو بر حق مبعوث کیا، فتوحات سے ان کی عزت افزائی کی اور دشمن کے دلوں کو مرعوب کر کے ان کی مدد فرمائی، جس نے فرمایا اور اس کا کوئی وعدہ جھوٹا نہیں ہوتا "یہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو کتاب ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اس کو سارے دینوں پر غالب بنا دے خواہ مشرکوں کو یہ بات کتنی ہی ناپسند ہو۔" هُوَ ٱلَّذِيٓ أَرۡسَلَ رَسُولَهُۥ بِٱلۡهُدَىٰ وَدِينِ ٱلۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهُۥ عَلَى ٱلدِّينِ كُلِّهِۦ وَلَوۡ كَرِهَ

[1] حضرت عمر فاروق کے سرکاری خطوط: 95

ٱلۡمُشۡرِكُونَ ﴿٣٣﴾ (التوبۃ: 33) لہٰذا بزنطیوں کی کثرت فوج سے ہرگز ہراساں نہ ہو کیونکہ خدا ان کی مدد نہیں کرے گا اور جس کی خدا مدد نہ کرے اس کے لیے فوج کی کثرت بیکار ہوتی ہے، ایسے شخص کو خدا اس کے بل بوتے پر چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے، تم اپنی قلت سے مت گھبراؤ کیونکہ اللہ تمہارے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ اللہ ہو وہ کبھی کم نہیں ہوتا، پس جہاں ہو وہیں ڈٹے رہو حتیٰ کہ دشمن کا تم سے مقابلہ ہو اور اللہ کی مدد سے تمہیں فتح حاصل ہو، وہی بہترین محافظ، سر دھرا اور مددگار ہے۔ تمہارے ان الفاظ سے مجھے تعجب ہوا کہ اگر مسلمان دشمن کے سامنے ٹھہرے رہے تو سمجھ لیجیے وہ تباہ ہوئے اور اگر دشمن سے ڈر کر بھاگ گئے تو سمجھ لیجیے ان کا دین ایمان گیا کیونکہ ان سے ایک ایسا غنیم لڑنے آیا ہے جس سے عہدہ بر آ ہونا ان کے بس سے باہر ہے الّا یہ کہ اللہ فرشتے بھیج کر ان کی دستگیری فرمائے، یا خود لشکر لے کر آئے۔ اللہ کی قسم، اگر تم یہ کلمہ استثناء نہ لکھتے تو بُرا کرتے، میری جان کی قسم اگر مسلمان ان کے سامنے ڈٹے رہے اور صبر کا دامن نہ چھوڑا اور قتل ہوئے (تو ان کی قربانی ضائع نہیں ہو گی) بلا شبہ اللہ انہیں عمدہ انعام دے گا، اللہ بزرگ و برتر کہتا ہے: "ان میں سے کچھ مر گئے اور کچھ موت کے منتظر ہیں اور انہوں نے اپنی وفاداریوں میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ بڑے خوش نصیب ہیں وہ جنہیں شہادت کی نعمت حاصل ہو!" فَمِنۡهُم مَّن قَضَىٰ نَحۡبَهُۥ وَمِنۡهُم مَّن يَنتَظِرُۖ وَمَا بَدَّلُواْ تَبۡدِيلًا ﴿٢٣﴾ (سورۃ الاحزاب: 23) سمجھدار مسلمانوں کے لیے وہ جانباز اچھی مثال بن سکتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی لڑائیوں میں ان کے گرد لڑتے ہوئے مارے گئے، جو رسول اللہ ﷺ اور اسلام کی خاطر لڑے وہ نہ تو کبھی بے بس ہوئے اور نہ موت سے ڈرے، رسول اللہ ﷺ کے بعد جو لوگ زندہ رہے وہ بھی دشمن یا موت سے خائف نہیں ہوئے، نہ مصیبتوں کے سامنے انہوں نے کبھی گھٹنے ٹیکے بلکہ انہوں نے اپنے پیش روؤں کی مثال سامنے رکھی اور ان لوگوں سے جہاد کیا جنہوں نے ان کی مخالفت کی یا اسلام قبول کرنے کو تیار نہیں ہوئے۔ اللہ نے صبر کرنے والوں کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: "ایسے کتنے ہی نبی گزرے ہیں جن کے ساتھ بہت سے خدا پرست جنگ میں شریک ہوئے جنہوں نے جنگ کی مصیبتوں میں نہ تو کسی کمزوری کا اظہار کیا نہ دشمن کے سامنے گھٹنے ٹیکے (بلکہ صبر کیا) اللہ صبر کرنے والوں کی قدر کرتا ہے (جنگ کے مصائب میں) ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے: مالک ہمارے گناہ معاف کر اور ہماری بے اعتدالیوں سے درگزر فرما، دشمن کے مقابلہ میں ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافر قوم پر فتح عطا کر، اللہ نے انہیں دنیا اور آخرت کے عمدہ انعام سے نواز، اللہ نیکو کاروں کا قدر دان ہے۔" وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَٰتَلَ مَعَهُۥ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُواْ لِمَآ أَصَابَهُمۡ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ وَمَا ضَعُفُواْ وَمَا ٱسۡتَكَانُواْۗ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلصَّٰبِرِينَ ﴿١٤٦﴾ وَمَا كَانَ قَوۡلَهُمۡ إِلَّآ أَن قَالُواْ رَبَّنَا ٱغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسۡرَافَنَا فِيٓ أَمۡرِنَا وَثَبِّتۡ أَقۡدَامَنَا وَٱنصُرۡنَا عَلَى ٱلۡقَوۡمِ ٱلۡكَٰفِرِينَ ﴿١٤٧﴾ فَـَٔاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ ثَوَابَ ٱلدُّنۡيَا وَحُسۡنَ ثَوَابِ ٱلۡأٓخِرَةِۗ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلۡمُحۡسِنِينَ ﴿١٤٨﴾ (آل عمران: 146 - 148) ان آیتوں میں ثوابِ دنیا فتح اور غنیمت ہے، ثوابِ آخرت مغفرت اور جنت۔ میرا یہ خط لوگوں کو سنانا اور تاکید کرنا کہ اسلام کی سر بلندی کے لیے مردانہ وار لڑیں اور (سخت سے سخت) مشکلوں کو برداشت کریں، اللہ ان کو دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے سرفراز کرے گا، تمہارا یہ کہنا کہ مسلمانوں کا مقابلہ ایسے لشکر سے ہے جس سے وہ عہدہ بر آ نہیں ہو سکتے، اگر تمہارے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے تو اللہ قوی میں تو ہے، ہمارا مالک ان کو برابر شکست دینے پر قادر رہا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر دشمن سے ہم اپنے بل بوتے پر لڑا کرتے تو وہ مدت کے ہمیں تباہ کر چکے ہوتے۔ ہم تو اپنے مالک اللہ کے بھروسے پر لڑتے ہیں اور اپنے بل پر بالکل اعتماد نہیں کرتے اور اسی سے نصرت و رحمت کی التجاء کرتے ہیں، ان شاء اللہ تم بہر صورت کامیاب ہو گے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اللہ کے لیے قربانی کی سچی لگن تمہارے دل میں ہو اور اپنی ہر مشکل میں اسی سے لَو لگاؤ، صبر کرو اور دشمن کے مقابلہ میں ڈٹے رہو اور رسالے تیار رکھو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے تم کامیاب ہو گے۔ ٱصۡبِرُواْ وَصَابِرُواْ وَرَابِطُواْ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ ﴿٢٠٠﴾ (سورۃ آل عمران: 200)۔"[2]

ڈاکٹر خورشید احمد فارق اس خط کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"اس خط میں کمک بھیجنے کا کوئی ذکر نہیں ہے لیکن فتوح ابن اعثم میں اس خط کا جو خلاصہ دیا گیا ہے اس میں تصریح ہے کہ عمر فاروق نے اپنے خط کے آخر میں کمک بھیجنے کا وعدہ کیا تھا اور تین ہزار سوار روانہ کیے تھے۔ فتوح الشام کا بیان ہے کہ کمک سات ہزار سواروں پر مشتمل تھی۔"[3]

ابن جوزی نے "تاریخ عمر بن خطاب" میں اور سیوطی نے "تاریخ الخفاء" میں

---

[2] حضرت عمر فاروق کے سرکاری خطوط: 95 - 98

[3] حضرت عمر فاروق کے سرکاری خطوط: 98

حضرت عمر کا ایک اور مکتوب گرامی نقل کیا ہے جو انہوں نے حضرت ابو عبیدہ کو یرموک کے محاذ جنگ میں بھیجا تھا۔ اس میں لکھا تھا:

" تمہارا خط موصول ہوا جس میں تم نے مجھ سے کمک طلب کی ہے میں تمہاری توجہ اس ہستی کی طرف مبذول کراتا ہوں جس کی کمک انسانی کمک سے زیادہ طاقت ور اور جس کا لشکر انسانی لشکر سے جلد تر آنے والا ہے اور وہ ہستی ہے اللہ ، اسی سے مدد طلب کرو۔ بدر کے معرکہ میں جس فوج سے محمد ﷺ کو فتح حاصل ہوئی وہ تم سے کم تعداد تھی ، میرا خط پا کر بزنطیوں سے لڑو اور پھر کمک کے لیے خط نہ لکھنا۔"[4]

حضرت عمر کے یہ خطوط کیا پہنچے کہ مسلمانوں کے جوشِ ایمانی میں صاعقہ حق کی ایک بجلی سی کوند گئی۔ اور پھر دنیا نے دیکھا کہ ہزاروں کے لشکر نے لاکھوں کے لشکر کو شکست فاش سے ہمکنار کیا۔ یرموک کے میدان میں بے شمار صحابیوں کی دادِ شجاعت کی داستانیں مستور ہیں لیکن مرکز خلافت میں بیٹھے امیر المومنین نے بھی لمحہ بہ لمحہ ان کے حالات سے واقف رہ کر جس طرح ان کی کمان کی۔ اور مسلمانوں کے ذوقِ جہاد کو برابر پروان چڑھاتے رہے وہ بھی مسلمانوں کی تاریخ عزیمت کا زریں باب ہے۔

آج نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ دنیا کے کروڑوں لاچار و بے بس انسانوں کو بھی فاروقِ اعظم جیسے ایک رہنما کی ضرورت ہے۔ جو انہوں ظلم و ستم اور درندگی و بہیمیت کی اس زندگی سے نجات دے۔ جو خود راتوں کو جاگے تاکہ وہ سکون سے سوئیں اور جو خود دن بھر ان کی فکر میں مبتلا رہے تاکہ وہ خود ہر فکر سے آزاد ہو سکیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ شوقِ شہادت اور جذبہ جہاد آج کے بے کس مسلمانوں کے لیے ایک تازیانہ عبرت ہے جو زندگی کی محبت میں مبتلا ہوئے تو موت کے خوف نے انہیں آ دبوچا۔ جنہوں نے اللہ سے اپنا اعتماد اٹھایا تو شیطان نے انہیں سر عام رسوا کر دیا۔ آج بھی ہمارے لیے صحابہ کرام کی مقدس زندگیوں میں ہماری مشکلات کا حل موجود ہے۔ ان کی پاکیزہ سیرت ہمارے لیے عملی نظیر ہے۔ جب ہم کتاب اللہ ، سنت رسول اللہ ﷺ اور اسوہ صحابہ کو اپنا رہنما بنا لیں گے تو دنیا کی تمام طاقتیں ہمارے سامنے چھوٹی پڑ جائیں گی۔

حضرت خالد بن ولید کی معزولی کا سبب

آج کل کے بعض متجددین اور روشن خیال حضرت عمر فاروق اعظم کے اس حکم کو جس میں حضرت خالد بن ولید کو معزول کیا گیا تھا واقعے کے صحیح پس منظر سے ہٹ کر دیکھتے ہیں اور طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا کرتے ہیں۔ اس بارے میں خود ایک وضاحتی بیان حضرت عمر فاروق نے دیا تھا جسے طبری نے روایت کیا ہے ، جو حسب ذیل ہے:

" میں نے خالد کو خیانت یا ناراضی کی بناء پر معزول نہیں کیا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو ان کی فتوحات نے مفتون کر لیا تھا ، مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ (اللہ کو چھوڑ کر) خالد پر اعتماد کرنے لگیں گے اور انہیں مشکل کشا سمجھنے کی آزمائش میں پڑ جائیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ جان لیں کہ مشکل کشا خالد نہیں اللہ ہے۔"

(حضرت عمر فاروق کے سرکاری خطوط: ص 115)

---

[4] حضرت عمر فاروق کے سرکاری خطوط: 100

قیام نظامی

سیدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

امیر المومنین ، عز الاسلام و المسلمین ، ابا الفقراء ، دعائے رسول سرور عالم ﷺ حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی سے 40 سال قبل پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش اور بچپن کے حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ صرف دو واقعات ایسے ہیں جن سے مختصر سی روشنی آپ کے بچپن پر پڑتی ہے۔ " تاریخ دمشق " میں حافظ ابن عساکر نے عمرو بن عاص کی زبانی لکھا ہے :

" میں چند دوستوں کے ساتھ ایک جلسہ میں بیٹھا تھا کہ دفعتاً ایک شور برپا ہوا ۔ وجہ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ خطاب کے گھر بیٹا پیدا ہوا ہے اور اس خوشی میں شور و ہنگامہ ہو رہا ہے۔ جب آپ بڑے ہوئے تو باپ نے اونٹ چرانے کا کام سپرد کیا۔ چراگاہی قبیلہ عرب کا ایک عام مشغلہ تھا۔ یہ کوئی معیوب بات نہ تھی۔ اس کام میں آپ کے والد آپ سے خوب محنت کراتے تھے۔ جس میدان میں آپ اونٹ اور بکریاں چرایا کرتے تھے۔ اس کا نام ضجنان تھا۔ اپنے دورِ خلافت میں ایک بار حضرت عمر فاروق کا گزر اس میدان کی طرف سے ہوا۔ آپ آبدیدہ ہوئے اور حسرت سے فرمایا : اللہ اکبر ایک وہ زمانہ تھا کہ میں نمدہ کا کرتا پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا تھا۔ تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ سے سزا پاتا اور مار کھاتا تھا۔ آج یہ دن کہ اللہ کے سوا میرے اوپر اور کوئی حاکم نہیں۔"

حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب عدی ، فہر (قریش) اور عدنان سے ہوتا ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضور اکرم ﷺ سے آٹھویں پشت پر جا کر مل جاتا ہے اور وہ اس طرح ہے :

عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد اللہ قرط بن زراع بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔

شرافت و ریاست اور حکومت و اقتدار قبیلہ قریش کے دس نامور خاندانوں میں تقسیم تھی۔ سفارت کا محکمہ حضرت عمر فاروق کے خاندان میں عدی کے زمانہ سے چلا آتا تھا۔ اس کے علاوہ افضلیت کے فیصلے بھی آپ ہی کے خاندان کے سپرد تھا۔ حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم کے دادا نفیل بن عبد العزیٰ بڑے عالی مرتبت شخصیت کے مالک تھے اور قبیلہ نے جو ذمہ داری سونپی تھی اس کو بڑی مہارت سے انجام دیا کرتے تھے۔ آپ کے والد خطاب نے کئی شادیاں کی تھیں۔ جن میں سیدنا عمر فاروق کی والدہ خنتمہ ، ہشام بن مغیرہ کی بیٹی تھیں۔ مغیرہ ایک ممتاز اور بلند رتبہ آدمی تھے۔ جن کے ایک پوتے حضرت خالد بن ولید تھے۔

حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم کا پسندیدہ مشغلہ نسب دانی ، سپہ گری ، پہلوانی ، شہ سواری اور خطابت تھا۔ نسب دانی میں سیدنا عمر ان کے والد خطاب اور دادا نفیل تینوں کو مہارت حاصل تھی۔ بازار عکاظ کے میلہ میں ہر سال کشتی دانی کا جوہر دکھایا کرتے تھے۔ قبیلہ قریش میں صرف سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ جن میں ایک حضرت عمر فاروق بھی تھے۔ قبائلِ عرب کے رواج کے مطابق آپ کا ذریعہ معاش بھی تجارت ہی تھا۔ آپ نے اس سلسلہ میں دور دراز ملکوں کا سفر کیا اور بڑے بڑے حکمرانوں ، تاجروں اور صاحب اقتدار لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ خودداری ، بلند حوصلگی ، تجربہ کاری اور معاملہ فہمی میں آپ یکتائے روزگار تھے۔ اسلام لانے کے بعد آپ کی ان صلاحیتوں سے دینِ اسلام کو بہت فائدہ حاصل ہوا۔

سیدنا عمر فاروق اعظم کے چچازاد بھائی زید بن عمرو بن نفیل نے بعثت نبوی ﷺ سے قبل ہی اپنے ذاتی اجتہاد سے کام لے کر بت پرستی چھوڑ دی تھی اور موحد بن گئے تھے۔ بت پرستی اور رسوم جاہلیت کو اعلانیہ برا کہتے تھے اور دین ابراہیمی کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ زید بن عمرو کے بیٹے سعید تھے۔ جن کی شادی حضرت عمر کی بہن فاطمہ سے ہوئی تھی۔ اس طرح حضرت سعید بن زید بن عمرو ، حضرت کے چچیرے بھتیجے اور سگے بہنوئی تھے۔ جب نبی آخر الزماں ﷺ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا اور دعوت اسلام دی تو حضرت عمر کے خاندان کے سعید بن زید ، فاطمہ بنت خطاب اور نعیم بن عبد اللہ نے اسلام قبول کیا۔

حضرت فاروق اعظم کی عمر اس وقت 27 سال تھی۔ آپ حضور نبی کریم ﷺ اور اسلام کے کٹر دشمن تھے۔ مسلمانوں کی ایذا رسانی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ آپ کو اپنے خاندان کے افراد کی اسلام میں داخل ہونے کی خبر نہ تھی۔ تمام تر ایذا رسانیوں اور مصیبتوں کے باوجود آپ ایک مسلمان کو بھی اسلام سے جدا نہ کر سکے۔ آخر آپ نے فیصلہ کیا

کہ نئے دین کے بانی حضرت محمد ﷺ کا ہی (نعوذ باللہ) خاتمہ کر دیا جائے۔ ایک دن تلوار اٹھائی اور حضور اکرم ﷺ کے قتل کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ ادھر حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور ارقم بن ارقم کے مکان میں سجدہ ریز تھے اور دعا فرما رہے تھے : " اے اللہ ! عمر بن ہشام (ابو جہل) یا عمر بن خطاب کے ذریعے اسلام کو سر بلند کر۔" سیدنا عمر ہاتھ میں ننگی تلوار لیے حضور ﷺ کی تلاش میں جا رہے تھے کہ سر راہ ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ اس نے پوچھا اے عمر کہاں کا ارادہ ہے۔ آپ نے کہا : " (نعوذ باللہ) محمد ﷺ کے قتل کا۔" اس شخص نے جواب دیا پہلے اپنے بہن بہنوئی کی تو خبر لو جو اپنا آبائی مذہب ترک کر کے اسلام قبول کر چکے ہیں۔ آپ نے فوراً بہن کے گھر کا رخ کیا۔ جس وقت آپ بہن کے دروازے پر پہنچے تو بہن آیاتِ قرآن کی تلاوت کر رہی تھیں۔ آپ نے بہن اور بہنوئی کی خوب پٹائی کی۔ یہاں تک کہ فاطمہ بنت خطاب کے سر سے خون جاری ہو گیا۔ انہوں نے اپنے بھائی عمر بن خطاب کو کہا : " اے عمر ! تو مجھے جان سے بھی مار دے تب بھی میں محمد ﷺ کے دین کو نہیں چھوڑوں گی۔ بہن کے ان الفاظ نے آپ کی کایا پلٹ دی اور آپ نرم پڑ گئے۔ بہن سے کہا لاؤ وہ عبارت جو تم ابھی پڑھ رہی تھی۔ آپ نے جب آیاتِ قرآن کو پڑھا تو دل کی دنیا ہی بدل گئی۔ وہ تلوار جو ہاتھ میں بے نیام لیے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ کے خون سے اپنا ہاتھ رنگنے نکلے تھے اپنی گردن میں لٹکالی اور صفا کی پہاڑی کے دامن میں واقع حضرت ارقم بن ارقم کے مکان دار الارقم پر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ کے قدموں میں سر رکھ دیا اور مسلمان ہو گئے۔ اس خوشی کے موقع پر اللہ کے پیارے حبیب ﷺ اور ان تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ایک ساتھ اللہ اکبر کا فلک شگاف نعرہ لگایا جس سے صفا اور مروہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ کوہِ صفا کے دامن میں دار الارقم وہ مکان تھا جو حضرت ارقم کی رہائش گاہ تھا اور جہاں سے حضرت محمد ﷺ بعثت کے ابتدائی دنوں میں پوشیدہ طور پر تبلیغ دین کا کام انجام دیا کرتے تھے۔ اب دار الارقم موجود نہیں۔ مسجد الحرام کی توسیع کے بعد یہ جگہ حرم میں داخل ہو گئی ہے۔ اس وقت ٹھیک اس جگہ پر جہاں دار الارقم تھا خودکار زینہ ہے۔ جس سے حرم کی بالائی منزل پر جایا جاتا ہے۔ زینہ کے گیٹ پر حضرت ارقم کے نام سے ایک پتھر کی تختی نصب ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جس طرح اسلام قبول کرنے سے حضرت محمد ﷺ کے اور دینِ اسلام کے کٹر دشمن تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد اس سے زیادہ حضور ﷺ کے سچے شیدائی اور دین کے مجاہدِ اعظم ثابت ہوئے۔ اب تک نبی کریم ﷺ تبلیغ دین کا کام پوشیدہ طور پر انجام دے رہے تھے اور مسلمان ارکانِ دین یعنی نماز وغیرہ چھپ کر ادا کیا کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے بعد دین اسلام کو بڑی تقویت حاصل ہوئی اور اعلانیہ تبلیغ کا کام شروع کیا گیا۔ آپ نے پہلا کام یہ کیا کہ مسلمانوں کی پوری جماعت کے ساتھ خانہ کعبہ میں نماز پڑھی اور کفارِ قریش مسلمانوں کو نماز کی ادائیگی سے روک نہیں سکے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم ہوا تو حضرت عمر نے دوسرے 20 مسلمانوں کے ساتھ علی الاعلان مکہ المکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔ جہاں حضرت عتبان بن مالک انصاری کو آپ کا دینی بھائی بنایا گیا۔ آپ نے تمام غزوات میں حضور ﷺ کے ساتھ شرکت کی اور ثابت قدم رہے۔

سیدنا فاروق اعظم مزاجِ شناس وحی تھے۔ اللہ جل شانہ اور اس کے پیارے حبیب حضور نبی کریم ﷺ کو بھی آپ کی رائے اور مشورہ بہت پسند تھا۔ کئی موقع پر آپ کی رائے کے مطابق رسول اللہ ﷺ پر اللہ کی وحی نازل ہوئی اور جو مشورہ سیدنا عمر نے دیا وحی الٰہی نے اس کی تائید کی۔

جنگ بدر کے موقع پر حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قیدیوں کے قتل کا مشورہ دیا تو آیت " **لو لا کتاب من اللہ** " نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے مشورے کی تائید فرمائی۔

آپ کو امہات المومنین کا بے حجاب نکلنا پسند نہ تھا اور آپ نے انہیں پردہ کا مشورہ دیا تو آیت حجاب نازل ہوئی۔ یعنی سورہ احزاب کی آیت 33۔

آپ نے نبی کریم ﷺ کے حضور مقام ابراہیم پر نماز پڑھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو " و **اتخذوا من مقام ابراهیم مصلی** " " مقام ابراہیم کو اپنی نماز کی جگہ بناؤ۔" نازل ہوئی۔

عبد اللہ بن ابی بہت بڑا منافق تھا۔ بظاہر مسلمان تھا لیکن باطنی طور پر اسلام کا دشمن تھا۔ جب وہ مرا تو اس کا لڑکا (جو خود ایک سچا مسلمان تھا) حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نمازِ جنازہ پڑھانے کی درخواست کی۔ حضور اکرم ﷺ اس کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے تشریف لے گئے۔ راستے میں حضرت عمر نے حضور ﷺ سے اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ آپ ﷺ اس منافق کی نمازِ جنازہ نہ پڑھائیں۔ جنازہ پڑھانے کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ کا یہ حکم صادر ہوا کہ آئندہ ان منافقین میں سے کوئی مر جائے تو آپ ﷺ نہ اس کی نماز پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں (سورہ توبہ آیت 80)۔

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق سیدنا فاروق اعظم مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ آپ کا دورِ خلافت اسلامی تاریخ میں نہایت روشن اور انتہائی تابناک ہے۔ حق و صداقت اور انساف پسندی کے آپ پیکر تھے۔ آپ کے دورِ خلافت میں فتوحات کا تانتا بندھ گیا۔ اسلامی حکومت میں نئے نئے بکثرت اصلاحات ہوئے۔ اسلامی ریاستیں دور دراز علاقوں تک قائم ہوئیں۔ نئے شہر آباد ہوئے۔ سن ہجری تاریخ لکھنے کا رواج آپ ہی کے دورِ خلافت میں شروع ہوا۔

حضرت سیدنا عمر فاروق کو بحالتِ نماز ایک پارسی غلام ابو لولو فیروز نے مسجد نبوی میں 26 ذی الحجہ 23ھ کو زہر آلود خنجر سے شدید زخمی کیا۔ اس زخم سے 3 دن بعد یکم محرم الحرام بروز ہفتہ کو آپ نے وصال فرمایا اور روضہ رسول پاک ﷺ میں حضرت ابو بکر صدیق اکبر کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر شریف تقریباً 63 برس تھی۔ آپ کا زمانہ خلافت 10 سال رہا۔

حضور سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کا حضرت عمر کی شان میں فرمان ہے :

" میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے، آسمان پر فرشتے عمر کا وقار کرتے ہیں اور زمین کا ہر شیطان اس سے ڈرتا ہے۔"

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

" عمر ارادہ کی پختگی ، ہوش مندی اور دلیری سے پُر ہیں۔"

ایک بار حضرت عمر کو کپڑا اوڑھے دیکھ کر حضرت علی نے فرمایا:

" اس کپڑا اوڑھے شخص سے زیادہ مجھے کوئی عزیز نہیں۔"

امام جعفر صادق کا قول ہے :

" میں اس شخص سے بیزار ہوں جو ابو بکر و عمر کو بھلائی سے یاد نہ کرے۔"

حضرت علی ، حضرت معاویہ کے ایک خط کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں :

" بلاشبہ اسلام میں سب سے افضل اور اللہ و رسول کے لیے سب سے زیادہ مخلص صدیق تھے۔ پھر ان کے بعد خلیفہ فاروق تھے۔ اسلام میں ان کا رتبہ بہت بڑا ہے۔ ان کی وفات سے اسلام کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ اللہ ان دونوں پر رحمت فرمائے اور ان کے اچھے اعمال کی جزا دے۔ " (شرح نہج البلاغہ)

حضرت عمر فاروق نے کئی شادیاں کی تھیں اور آپ کی نسل خوب پھلی پھولی شیوخِ فاروقی کی بکثرت شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔ حضرت عمر فاروق کی خواہش تھی کہ خاندانِ اہل بیت رسول ﷺ میں آپ کی شادی ہو اور ان کا شمار اہل بیت رسول میں ہو جائے۔ آپ نے حضرت علی کی خدمت میں ان کی صاحبزادی سیّدہ ام کلثوم بنت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ سے شادی کا اظہار فرمایا۔ حضرت سیدہ اس وقت بہت کم سن تھیں لیکن سیدنا علی نے سیدنا عمر کے جذبے کا احترام کرتے ہوئے اس پیشکش کو قبول کر لیا۔ 17ھ میں حضرت سیدہ ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر فاروق سے ہوا۔ آپ نے 40 ہزار درہم مہر ادا کیا۔ حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ کے بطن سے حضرت عمر فاروق کی دو اولادیں سیدنا زید اور حضرت سیدہ رقیہ تھیں۔ بقیہ اولادیں حضرت عمر فاروق کی دوسری ازواج سے تھیں۔ حضرت عمر فاروق کے وصال کے بعد سیدہ ام کلثوم کا دوسرا نکاح حضرت محمد بن جعفر طیار سے ہوا۔

خلیفہ دوم امیر المومنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں صحابہ کرام کے لیے وظیفہ مقرر کیا۔ حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس کو سالانہ دو لاکھ درہم ملا کرتا تھا اور آپ ﷺ کے دوسرے قرابت داروں کو بھی درجہ کے مطابق وظیفہ دیا گیا۔ تمام امہات المومنین میں سے ہر ایک دس دس ہزار درہم ماہانہ ۔ صرف حضرت عائشہ کو بارہ ہزار درہم ملا کرتا تھا۔ حضرات حسنین کو پانچ پانچ ہزار درہم دیا گیا۔

حضرت عمر فاروق اعظم نے وصال سے قبل حضرت عثمان ، حضرت علی ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف ، حضرت طلحہ ، حضرت زبیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر مشتمل ایک چھ رکنی مجلس شوریٰ منتخب فرما دی تھی تاکہ یہ افراد آپس کے مشورے سے کسی ایک کو مسلمانوں کا خلیفہ منتخب فرمالیں۔ حضرت طلحہ ، حضرت زبیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص خلافت سے دست بردار ہوگئے ۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے حضرت علی اور حضرت عثمان سے فرمایا کہ آپ دونوں میرے انتخاب کو قبول کرنے کی رضا مندی دیدیں تو میں بھی خلافت سے دست بردار ہو جاتا ہوں۔ دونوں بزرگوں نے اپنی رضا مندی دے دی۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے وقت کے جید صحابہ کرام کے مشورے کے بعد حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر کے آپ کا انتخاب فرمایا۔

قبولِ حق

" حق کو اختیار کرنا باطل پر جمود اختیار کرنے سے کہیں بہتر ہے۔"

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

مولانا محمد یاسین شاد

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نظام احتساب

خاتم النبیین رسول اللہ ﷺ کے صحابی عشرہ مبشرہ میں شامل، خلیفہ ثانی، تمام غزوات نبوی کے ساتھی، ابو حفص عمر بن خطاب القرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نظام حکومت کا اہم حصہ احتساب کا واقعہ تحریر کرنے سے قبل لفظ صحابی کی تعریف، مقام و مرتبہ پیش ہے۔

الصحابی

" من لقی النبی ﷺ مؤمناً و مات علی الاسلام ۔" [1]

" صحابی رسول وہ ہوتا ہے جس نے رسول اکرم ﷺ سے حالت ایمان میں ملاقات کی اور دینِ اسلام پر وفات پائی۔"

اصولِ حدیث کے مطابق صحابی وہ ہیں جن کو ایمان کی حالت میں نبی ﷺ سے ملاقات و آپ کا دیدار نصیب ہوا ہو اور ایمان پر ہی ان کی وفات ہوئی ہو۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ " عادل " ہیں۔[2]

فضیلتِ صحابہ قرآن مجید سے

أُوْلَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ ٱمۡتَحَنَ ٱللَّهُ قُلُوبَهُمۡ لِلتَّقۡوَىٰۚ لَهُم مَّغۡفِرَةٞ وَأَجۡرٌ عَظِيمٌ ۝٣

" در حقیقت وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے، ان کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔" (الحجرات : 3)

تشریح

یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آزمائشوں میں پورے اترے ہیں اور ان آزمائشوں سے گزر کر جنہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ ان کے دلوں میں فی الواقع تقویٰ (پرہیز گاری) موجود ہے۔ وہی لوگ اللہ کے رسول کا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہیں۔ اس ارشاد سے خود بخود یہ بات نکلتی ہے جو دل رسول اللہ ﷺ کے احترام سے خالی ہے وہ در حقیقت تقویٰ سے خالی ہے۔[3]

فضیلت، تعلیم رسول سے

" اکرموا اصحابی فانهم خیارکم ۔" [4]

" میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی عزت و تکریم (تعظیم) کرو بے شک وہ تم سب سے بہتر ہیں۔"

مختصر فضائل قرآن و سنت کے حوالہ سے گزارش ہے کہ خود اور اپنے وارثوں کو سیرت رسول کے واقعات بتاتے رہیں اور ان کے دلوں میں اصحاب محمد ﷺ کی عظمت و محبت کے نقوش گہرے کریں ان کے فضائل و مناقب بیان کریں اور ان کی تنقیص سے اپنے دامن کو محفوظ رکھیں اور ان کے لیے ہمیشہ یہ دعائے خیر کرتے رہیں:

رَبَّنَا ٱغۡفِرۡ لَنَا وَلِإِخۡوَٰنِنَا ٱلَّذِينَ سَبَقُونَا بِٱلۡإِيمَٰنِ وَلَا تَجۡعَلۡ فِي قُلُوبِنَا غِلّٗا لِّلَّذِينَ ءَامَنُواْ رَبَّنَآ إِنَّكَ رَءُوفٞ رَّحِيمٌ ۝١٠ (سورة الحشر: 10)

فاروقی نظام احتساب

ہمارے ہاں پاکستان میں احتساب کے لیے قوانین بنتے رہتے ہیں۔ مالی و انتظامی، بد دیانتی، کرپشن کرنے والے محفوظ طریقے سے بچ جاتے ہیں معاملہ وہیں کا وہیں رہتا ہے۔

خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب کسی کو عامل (حکومتی عہدیدار) مقرر کرتے تو ایک جماعت کو گواہ بناتے جو انصار اور کچھ لوگوں پر مشتمل ہوتی اور اس پر چار شرطیں عائد کرتے:

1. وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوگا۔
2. باریک کپڑے نہیں پہنے گا۔
3. چھنے ہوئے آٹے کی روٹی یعنی سفید روٹی نہیں کھائے گا۔
4. لوگوں کے کاموں سے بچنے کے لیے اپنا دروازہ بند کر کے نہیں بیٹھے گا اور دربان مقرر نہیں کرے گا۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں کسی مقام سے گزر رہے تھے کہ اچانک ایک شخص نے بآوازِ بلند کہا کہ کیا آپ صرف شرطیں عائد کر کے اللہ کے ہاں سے بچ جائیں گے جب کہ مصر میں آپ کا مقرر کردہ عامل عیاض بن غنم باریک کپڑے پہنتا ہے اور اس نے دربان مقرر کر رکھا ہے؟

اس پر آپ نے محمد بن مسلمہ کو بلایا جن کو آپ عمال کی جانب سفیر بنا کر بھیجا کرتے تھے اور ان سے کہا کہ جاؤ اور عامل مصر عیاض بن غنم جس حال میں بھی ہو اسے

---

1. نخبۃ الفکر و مصطلح اھل الاثر
2. رسالہ اصولِ حدیث از مولانا اویس نگرامی ندوی
3. تفہیم القرآن از مولانا مودودی: 72/5
4. شرح السنۃ للامام البغوی، حدیث نمبر 2253

میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ جب محمد بن مسلمہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ دروازہ پر دربان موجود ہے اور اندر گئے تو دیکھا کہ عیاض باریک قمیص پہنے بیٹھے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ امیر المومنین نے آپ کو طلب کیا ہے ۔ اس نے کہا کہ مجھے موقع دو کہ قبا پہن لوں۔ محمد بن مسلمہ نے کہا نہیں ، اسی طرح چلنا ہو گا۔ اور وہ اسی حال میں لے کر حضرت عمر کے اپس آ گئے۔ حضرت عمر نے انہیں (گورنر مصر) کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ قمیص اتار دو۔ اور آپ نے اون کا جبہ اور بکروں کا ریوڑ اور لاٹھی منگائی اور کہا یہ اونی جبہ پہنو، لاٹھی اٹھاؤ اور بکریاں چراؤ۔ اور اس کا دودھ خود بھی پیو اور جو تمہارے پاس سے گزرے اسے بھی پلاؤ اور جو افزائش ہو اسے ہمارے لیے محفوظ کر لو۔ کیا تم نے سن لیا ؟ اس نے کہا جی ہاں ، لیکن اس زندگی سے موت بہتر ہے۔

حضرت عمر دہراتے رہے کہ کیا تم نے سن لیا اور وہ یہی کہتے رہے کہ ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے۔ پھر حضرت عمر نے کہا کہ تم اس زندگی کو برا نہ سمجھو تمہارا باپ بھی بکریاں چراتا تھا، اس لیے اس کا نام غنم تھا۔ پھر آپ نے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ مال ہے ؟ اس نے کہا کہ جی ہاں اے امیر المومنین آپ نے کہا وہ ہمیں لادو۔

اس کے بعد آپ کے کسی عامل نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی۔[5]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہی طرزِ عمل تھا جس نے ان کے زمانے کی بیورو کریسی کو اصول و قواعد کا پابند بنا کر ان کی وسیع سلطنت کو امن و امان کا گہوارہ بنا رکھا تھا۔ آج بھی کرپٹ معاشروں میں ایسے ہی حکمرانوں کی ضرورت ہے جو معاشرے سے ظلم و انصافی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ امت مسلمہ کو حضرت عمر ضی اللہ عنہ کے نقشِ قدم کی پیروی کرنے والا حکمران عطا کرے ۔ آمین

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حکومت و سیادت کی بقا کا راز

" اس بات سے ڈرتے رہو کہ تمہاری کسی بدعہدی یا ظلم سے سیادت و حکومت تم سے چھین لی جائے اور کوئی دوسری قوم اس کی وارث ہو جائے۔ سیادت و حکومت تم نے اللہ کی مدد اور اس سے کیے ہوئے راست بازی کے ایک عہد کے تحت حاصل کی ہے اور اس عہد پر قائم رہنے کی خدا نے تمہیں تاکید کی ہے۔ پس ضروری ہے کہ تم اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کرو اور اس کا حکم بجا لاؤ، ایسا کروگے تو اس کی مدد ہمیشہ تمہارے شاملِ حال رہے گی۔"

ڈاکٹر خورشید احمد فارق کی کتاب
"حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
کے سرکاری خطوط"
سے ماخوذ

[5] کتاب الخراج از امام ابو یوسف ص 139 ، فقہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ از ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی پروفیسر یونی ورسٹی آف پٹرولیم و معدنیات ظہران سعودی عرب، مترجم ساجد الرحمٰن صدیقی، ناشر ادارہ معارف اسلامی منصورہ، طبع چہارم دسمبر 2010ء

ابو محمد معتصم باللہ

حکمتِ فاروقی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکیمانہ مقولے اکثر کتب حدیث کے علاوہ کتب سیر و تاریخ و ادب میں بھی ملتے ہیں ۔ علامہ شبلی نعمانی نے " الفاروق " میں مجمع الامثال میدانی سے چند مقولے نقل کیے ہیں۔ ڈاکٹر خورشید احمد فارق نے حضرت عمر کے سرکاری فرامین کو یکجا کیا ہے۔ مختلف عمالِ حکومت کے نام اپنے ان مکاتیب میں بھی کئی پُر از حکمت اور کار آمد باتیں ملتی ہیں۔ ذیل میں مختلف کتب احادیث ، تاریخ و سوانح سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکیمانہ اقوال نقل کیے جا رہے ہیں جن کی روشنی میں ہم اپنی زندگی کی اصلاح کر سکتے ہیں :

- **من کتم سره کان الخیار فی یده ۔** (الفاروق)

" جو شخص راز چھپاتا ہے وہ اپنا اختیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔"

- **اتقوا من تبغضه قلوبکم اعقل الناس اعذرهم للناس ۔** (الفاروق)

" جس سے تم کو نفرت ہو اس سے ڈرتے رہو۔ سب سے زیادہ عاقل وہ شخص ہے جو اپنے افعال کی اچھی تاویل کر سکتا ہو۔"

- **لا توخر عمل یومک الی غدک ۔** (الفاروق)

" آج کا کام کل پر اٹھا نہ رکھو۔"

- **ابت الدراهم الا ان یخرج اعناقها ۔** (الفاروق)

"روپے سر اونچا کیے بغیر نہیں رہتے۔"

- **ما ادبر شیئ فاقبل ۔** (الفاروق)

" جو چیز پیچھے ہٹی پھر آگے نہیں بڑھتی۔"

- **من لم یعرف الشر یقع فیه ۔** (الفاروق)

" جو شخص برائی سے واقف نہیں وہ برائی میں مبتلا ہو گا۔"

- **ما سألنی رجل الاتبین لی ما فی عقله ۔** (الفاروق)

" جب کوئی شخص مجھ سے سوال کرتا ہے تو مجھ کو اس کی عقل کا اندازہ ہو جاتا ہے۔"

واعظ سے خطاب کرتے ہوئے حضرت عمر فرماتے ہیں :

- **لا یلهک الناس عن نفسک اقل من الدنیا تعش صرا ترک الخطیئة اسهل من التوبة ۔** (الفاروق)

" لوگوں کو فکر میں تم اپنے تئیں بھول نہ جاؤ۔"

- **اقل من الدنیا تعش حرا ۔** (الفاروق)

" دنیا تھوڑی سی لو تو آزادانہ بسر کرو گے۔"

- **ترک الخطیئة اسهل من معالجة التوبة ۔** (الفاروق)

" توبہ کی تکلیف سے گناہ کا چھوڑ دینا زیادہ آسان ہے۔"

- **لی علی کل خائن امینان المأ و الطین ۔** (الفاروق)

" ہر بدیانت پر میرے دو داروغے متعین ہیں آب و گل۔"

- **لا یعجبنکم من الرجال طنطنة ۔** (وق)

" کسی کی شہرت کا آوازہ سن کر دھوکے میں نہ آؤ۔"

- **لو ان الصبر و الشکر بعیران ما بالیت علی ایهما رکبت ۔** (الفاروق)

" اگر صبر و شکر دو سواریاں ہوتیں تو میں اس کی نہ پرواہ کرتا کہ دونوں میں سے کس پر سوار ہوں۔"

- **رحم الله امرأً اهدی الیٰ عیوبی ۔** (الفاروق)

" خدا اس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیب میرے پاس تحفے میں بھیجتا ہے (یعنی مجھ پر میرے عیب ظاہر کرتا ہے) ۔"

- **لا تنظروا الیٰ صلوٰة امر اولا صیامه و لکن انظروا الیٰ عقله و صدقه ۔** (عمر بن الخطاب لصالح بن عبد الرحمٰن بن عبد اللہ)

"یعنی آدمی کی نماز، روزہ پر نہ جاؤ بلکہ اس کی سچائی اور عقل کو دیکھو۔"

زیاد بن حدیر سے حضرت عمر فرماتے ہیں :

هل تعرف ما یهدم الاسلام ؟

" کیا تم جانتے ہو کونسی چیز اسلام گرا دیتی ہے ؟ "

زیاد نے کہا: نہیں، حضرت عمر نے فرمایا:

- **یهدمه زلة العالم ، و جدال المنافق بالکتاب و حکم الائمة المضلین ۔** (سنن دارمی)

" اسلام کو عالم کی گمراہی ، منافق کا کتاب (قرآن) کے ساتھ جھگڑا کرنا اور ائمہ مضلمین (گمراہ پیشوا) کا حکم ، گرا دیتا ہے۔ "

- **فدعوا ما یریبکم الی ما لا یریبکم ۔** (سنن دارمی)

" پس جس چیز میں تمہیں شک ہو اسے چھوڑ کر وہ اختیار کرو جس میں تمہیں شک نہ ہو۔"

- **لَوْ نَادَی مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ : أَيُّهَا النَّاسُ ، إِنَّكُمْ دَاخِلُونَ الْجَنَّةَ كُلُّكُمْ أَجْمَعُونَ إِلا رَجُلا وَاحِدًا ، لَخِفْتُ أَنْ أَكُونَ هُوَ ، وَلَوْ نَادَی مُنَادٍ : أَيُّهَا النَّاسُ ، إِنَّكُمْ دَاخِلُونَ**

النَّارَ إِلا رَجُلا وَاحِدًا ، لَرَجَوْتُ أَنْ أَكُونَ هُوَ ۔ (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ، تاریخ الخلفاء للسیوطی)

" اگر آسمان سے کوئی پکارنے والا یہ پکارے کہ اے لوگو ! تم سب کے سب جنت میں داخل ہو جاؤ سوائے ایک شخص واحد کے ، تو مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ میں نہ ہوں۔ اور اگر منادی یہ پکارے کہ اے لوگو ! تم سب جہنم میں داخل ہو جاؤ سوائے ایک شخص واحد کے ، تو مجھے امید ہے کہ شاید وہ ایک میں ہی ہوں۔ "

➢ فَإِنَّهُ لَا يَنْفَعُ تَكَلُّمٌ بِحَقٍّ لَا نَفَاذَ لَهُ ۔ (سنن دار قطنی)

" ایسا فیصلہ قطعی بے سود ہے جسے نافذ نہ کیا جا سکے۔ "

➢ وَ آسِ بَيْنَ النَّاسِ فِي وَجْهِكَ وَ مَجْلِسِكَ وَعَدْلِكَ حَتَّى لَا يَيْأَسَ الضَّعِيفُ مِنْ عَدْلِكَ وَ لَا يَطْمَعُ الشَّرِيفُ فِي حَيْفِكَ ۔ (سنن دار قطنی)

" اپنے سامنے اپنی مجلس میں لوگوں کے درمیان برابری کا خیال رکھو تاکہ ضعیف تمہارے انصاف سے نا امید نہ ہوں اور امیر تمہاری بے جا حمایت کی لالچ نہ کریں۔ "

➢ وَ الصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا صُلْحًا أَحَلَّ حَرَامًا أَوْ حَرَّمَ حَلَالًا ۔ (سنن دار قطنی)

" صلح مسلمانوں کے درمیان جائز ہے سوائے اس صلح کے جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دے۔ "

➢ مُرَاجَعَةَ الْحَقِّ خَيْرٌ مِنَ التَّمَادِي فِي الْبَاطِلِ ۔ (سنن دار قطنی)

" حق کو اختیار کرنا باطل پر جمود اختیار کرنے سے کہیں بہتر ہے۔ "

➢ فَإِنَّهُ مَنْ يُصْلِحُ نِيَّتَهُ فِيمَا بَيْنَهُ وَ بَيْنَ اللَّهِ وَ لَوْ عَلَى نَفْسِهِ يَكْفِهِ اللَّهُ مَا بَيْنَهُ وَ بَيْنَ النَّاسِ ۔ (سنن دار قطنی)

" جس کی نیت خالص ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان اس کی کفایت کرتے ہیں۔ "

➢ ان هذا القرآن كلام الله فلا اعرفنكم فيما عطفمتوه على اهوائكم ۔ (سنن دارمی)

" بے شک یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اس لیے میں تمہیں اس حالت میں نہ دیکھوں کہ تم نے اسے اپنی خواہشات کے مطابق بنا لیا ہو۔ "

➢ مَنْ كَثُرَ ضَحِكُهُ قَلَّتْ هَيْبَتُهُ ، وَمَنْ مَزَحَ اسْتُخِفَّ بِهِ ۔ (تنبیہ الغافلین لسمرقندی)

" جو زیادہ ہنستا ہے اس کی ہیبت کم ہو جاتی ہے ، اپنے مذاق کی وجہ سے حقیر ہو جاتا ہے۔ "

➢ وَمَنْ كَثُرَ كَلَامُهُ كَثُرَ سَقَطُهُ ، وَمَنْ كَثُرَ سَقَطُهُ قَلَّ حَيَاؤُهُ ، وَمَنْ قَلَّ حَيَاؤُهُ قَلَّ وَرَعُهُ ، وَمَنْ قَلَّ وَرَعُهُ مَاتَ قَلْبُهُ ۔ (تنبیہ الغافلین لسمرقندی)

" جو زیادہ کلام کرتا ہے اکثر لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے ، جو لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے اس کی حیا کم ہو جاتی ہے ، جس کی حیا کم ہو جاتی ہے اس کا ورع (زہد) کم ہو جاتا ہے ، جس کا ورع کم ہوتا ہے اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے۔ "

➢ وَجَدْنَا خَيْرَ عَيْشِنَا بِالصَّبْرِ ۔ (کتاب الزھد والرقاق لابن مبارک)

" خیر چاہتے ہو تو صبر کے ساتھ زندگی گزارو۔ "

➢ إِنَّ الْحِكْمَةَ لَيْسَتْ عَنْ كِبَرِ السِّنِّ ، وَ لَكِنَّهُ عَطَاءَ اللَّهِ يُعْطِيهِ مِنْ يَشَاءُ ۔ (المجالسة وجواهر العلم للدينوري)

" حکمت و دانائی کا تعلق کبر سنی سے نہیں ، یہ تو اللہ کی عطا ہے جسے چاہے عطا کر دے۔ "

➢ إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَى هَذِهِ الْأُمَّةِ الْمُنَافِقُ الْعَلِيمُ ، قِيلَ : وَكَيْفَ يَكُونُ الْمُنَافِقُ عَلِيمٌ ؟ قَالَ : عَالِمُ اللِّسَانِ ، جَاهِلُ الْقَلْبِ وَالْعَمَلِ ۔ (صفة النفاق و ذم المنافقين للفريابي)

" مجھے اس امت میں سب سے زیادہ خوف منافق عالم سے ہے۔ دریافت کیا گیا یہ کیسے ممکن ہے کہ منافق عالم ہو ؟ فرمایا : عالم اللسان (زبان دراز ، لچھے دار گفتگو کرنے والا) جو قلب اور عمل سے جاہل ہو۔ "

➢ خذوا بحظكم من العزلة ۔ (كتاب الزهد لابن المبارك ، كتاب الزهد للبيهقي ، العزلة للخطابي)

" اپنی تنہائی سے فائدہ اٹھاؤ۔ "

➢ إن الذين يشتهون المعصية و لا يعملون بها أولئك الذين امتحن الله قلوبهم للتقوى لهم مغفرة و أجرعظيم ۔ (کتاب الزھد للامام احمد بن حنبل)

" جن لوگوں کو معصیت (گناہ) کی طرف رغبت ہوتی ہے ، لیکن وہ معصیت کا ارتکاب نہیں کرتے ، یہی وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ نے تقویٰ کے ذریعے آزمایا ہے اور جن کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔ "

➢ ليس العاقل الذى يعرف الخير من الشر، و لكنه الذى يعرف خير الشرين ۔ (العقد الفريد ، روضة المحبين و نزهة المشتاقين لابن القيم)

" عاقل وہ نہیں ہے جو شر سے خیر کو جانتا ہو لیکن وہ شخص جو دو شر میں سے خیر کو پہنچانتا ہو۔ "

➢ دنیا کے ٹھاٹ باٹ سے اپنی نظریں ہٹائے رکھو اور دنیا کی محبت دل میں نہ آنے دو ، خبردار کہیں ایسی نہ ہو کہ دنیا کی محبت تمہیں ہلاک کر دے جس طرح پچھلی قوموں کو ہلاک کیا ہے ۔ (حضرت عمر فاروق کے سرکاری خطوط از ڈاکٹر خورشید احمد فارق)

- ہر شخص کو موت کا پیالہ پینا ہے ، انسان کے لیے اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے کہ خدا کی مشیت کے سامنے گردن جھکا دے ۔ (حضرت عمر کے سرکاری خطوط)
- مسلمانوں سے یہ نہ کہو مجھے امید ہے کہ تم فتح یاب ہو گے، کیونکہ فتح امید سے نہیں یقین محکم اور اللہ پر اعتماد سے حاصل ہوتی ہے ۔ (حضرت عمر کے سرکاری خطوط)
- تمہارے اور حیات بعد الموت کے درمیان ایک ہلکا سا پردہ ہے ، تمہارے سلف آخرت کی طرف کوچ کر چکے اور تم گویا اس بے رونق دنیا سے کوچ کے منتظر ہو ، سب سے بڑا ہوشمند وہ ہے جس کا زاد راہ خوف خدا ہو ۔ (حضرت عمر کے سرکاری خطوط)
- ہم دشمن کی بڑی فوج کو اپنی بڑی فوج سے شکست نہیں دیتے تھے اور نہ خدا ہماری بڑی فوج کی وجہ سے ہم پر فتح نازل کرتا تھا بلکہ اکثر خدا دشمن کی بڑی فوج کی مدد سے ہاتھ اٹھا لیتا تھا جس کے نتیجہ میں وہ شکست کھاتی اور اس کی تعداد اسے کچھ فائدہ نہ پہنچاتی ، اکثر خدا چھوٹی فوج کو بڑی فوج پر فتح عطا کرتا ہے ۔ (حضرت عمر کے سرکاری خطوط)
- واضح ہو کہ مسلمان پر چاہے کتنی سخت مصیبت آئے اللہ اس کے بعد ضرور اسے عافیت سے بہرہ ور کرتا ہے ۔ (حضرت عمر کے سرکاری خطوط)
- جب دشمن کے علاقہ میں ہو تو ناخن بڑھا لو کیونکہ یہ بھی ایک قسم کے ہتھیار ہیں ۔ (حضرت عمر کے سرکاری خطوط)
- اسلامی حکومت صرف وہ شخص قائم کر سکتا ہے جو محکم تدبیر ہو ، فرائض کی انجام دہی میں جو ذرا غفلت نہ برتے ، جس کا چال چلن لوگوں کی نظر میں بے داغ ہو ، جس کے دل میں رعیت کی طرف سے کینہ کپٹ نہ ہو اور جو صحیح کام کرنے یا حق بات کہنے میں کسی ملامت کی پروا نہ کرتا ہو ۔ (حضرت عمر کے سرکاری خطوط)
- جادہ حق پر ثابت قدمی سے چلتے رہو ، ایسا کرو گے تو اللہ اہل حق کی ساری منزلیں تم پر واضح کر دے گا ، ہر فیصلہ کے وقت حق اور انصاف کو نظر میں رکھو ۔ (حضرت عمر کے سرکاری خطوط)
- جس پایہ کی لگن ہوتی ہے اسی پایہ کی اللہ مدد کرتا ہے اور جس پایہ کا جذبہ ثواب ہوتا ہے اسی پایہ کا انعام بھی اللہ کی طرف سے ملتا ہے ۔ (حضرت عمر کے سرکاری خطوط)
- اس بات سے ڈرتے رہو کہ تمہاری کسی بد عہدی یا ظلم سے سیادت و حکومت تم سے چھین لی جائے اور کوئی دوسری قوم اس کی وارث ہو جائے ۔ سیادت و حکومت تم نے اللہ کی مدد اور اس سے کیے ہوئے راست بازی کے ایک عہد کے تحت حاصل کی ہے اور اس عہد پر قائم رہنے کی خدا نے تمہیں تاکید کی ہے۔ پس ضروری ہے کہ تم اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کرو اور اس کا حکم بجا لاؤ، ایسا کرو گے تو اس کی مدد ہمیشہ تمہارے شاملِ حال رہے گی ۔ (حضرت عمر کے سرکاری خطوط)
- دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرو ، سنت نبوی ﷺ سے واقفیت حاصل کرو ، عربی زبان سیکھو ، نشانہ بازی کی مشق کرو ، خوابوں کی اچھی تعبیر کیا کرو ۔ (حضرت عمر کے سرکاری خطوط)
- یہ قرآن تمہارے لیے باعث اجر و شرف ہونے والا ہے لہٰذا اس کی تعلیم پر عمل کرو اور اسے اپنے مقاصد کا آلہ کار نہ بناؤ جو قرآن کو اپنا قائد و متبوع بنائے گا قرآن اسے جنت کے باغوں کی سیر کرائے گا ۔ (حضرت عمر کے سرکاری خطوط)
- قرآن کو اللہ کے حضور میں تمہارا سفارشی ہونا چاہیے نہ کہ تمہارے خلاف شکایتی کیونکہ قرآن جس کا سفارشی ہو گا وہ جنت میں جائے گا اور قرآن اللہ سے جس کی شکایت کرے گا وہ دوزخ میں جلے گا ۔ (حضرت عمر کے سرکاری خطوط)
- قرآن ہدایت کا سر چشمہ ، علم کا پھول اور رحمٰن کی تازہ ترین کتاب ہے اس کے ذریعہ اللہ اندھی آنکھیں ، بہرے کان اور بند دل کھول دیتا ہے ۔ (حضرت عمر کے سرکاری خطوط)
- نماز نور ہے ، زکاۃ برہان ، صبر روشنی ، روزہ ڈھال اور قرآن تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف ایک دلیل ہے ۔ (حضرت عمر کے سرکاری خطوط)
- جو خوش حالی میں محاسبہ نفس کرتا ہے اس کا انجام خوش کن ہوتا ہے اور جو زندگی کی رنگ رلیوں میں پڑا اور خواہشات کا متوالا بنا اس کا انجام ندامت اور حسرت کے سوا کچھ نہیں ۔ (حضرت عمر کے سرکاری خطوط)
- انصاف کے ذریعہ امن و عافیت کو فروغ دو ، حکومت و اقتدار آنی جانی ہے ، جو چیز باقی رہے گی وہ اچھی شہرت ہے یا ان مٹ بدنامی ۔ (حضرت عمر کے سرکاری خطوط)

محمد تنزیل الصدیقی الحسینی

مشاہیر فاروقی

سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد و احفاد کا تذکرہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت اور اسلام میں متعدد نکاح کیے۔ ان کا پہلا نکاح زینب بنت مظعون سے ہوا، جو مشہور صحابی رسول حضرت عثمان بن مظعون کی بہن تھیں۔ حضرت زینب نے اسلام قبول کیا، ان کی وفات مکہ معظمہ ہی میں ہوئی۔ ان کے بطن سے ام المومنین حفصہ، عبد اللہ اور عبد الرحمٰن الاکبر پیدا ہوئے۔

دوسری اہلیہ قریبہ بنت ابی امیہ المخزومی تھیں جو حضور اکرم ﷺ کی اہلیہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ یہ چونکہ اسلام نہیں لائیں اور مشرکہ عورت سے نکاح حرام قرار دیا گیا تھا اس لیے صلح حدیبیہ کے بعد 6ھ میں ان کو طلاق دیدی۔

حضرت عمر کی تیسری اہلیہ ملیکہ بنت جرول الخزاعی تھیں۔ ان کی کنیت ام کلثوم تھی یہ بھی اسلام نہیں لائیں، 6ھ میں انہیں طلاق دیدی گئی۔ ان کے بطن سے عبید اللہ پیدا ہوئے جنہوں نے حضرت عمر فاروق کے قاتل ابو لؤلؤ کی بیٹی، حضرت عمر کے قتل کی سازش میں شریک ہرمزان اور جفینہ نامی ایک ایرانی کو قتل کیا۔

حضرت عمر نے 7ھ میں ایک معزز انصاری صحابی عاصم بن ثابت کی صاحبزادی جمیلہ سے نکاح کیا۔ ان سے ایک صاحبزادے عاصم پیدا ہوئے، تاہم بعد میں کسی وجہ سے حضرت عمر نے جمیلہ بنت عاصم کو طلاق دیدی۔ حضرت عاصم کے نواسے مشہور اموی خلیفہ عمر بن عبد العزیز تھے۔

12ھ میں حضرت عمر نے اپنی چچیری بہن عاتکہ بنت زید بن عمرو سے نکاح کیا۔ زید بن عمرو کا شمار ان حنفاء (موحدین) میں ہوتا ہے جو زمانہ رسالت ﷺ سے قبل دینِ حنیف پر قائم تھے۔ و نیز حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں، جو عشرہ مبشرہ میں شامل تھے۔ عاتکہ بنت زید کا پہلا نکاح حضرت ابو بکر صدیق کے فرزند عبد اللہ سے ہوا تھا۔ عاتکہ کے بطن سے حضرت عمر کے ایک صاحبزادے عیاض پیدا ہوئے۔

حضرت عمر کی ایک اہلیہ سعیدہ بنت رافع تھیں جن سے حضرت عمر کے ایک صاحبزادے عبد اللہ الاصغر پیدا ہوئے۔

حضرت عمر کی ایک اہلیہ ام حکیم بنت حارث بن ہشام المخزومی تھیں جن سے ایک صاحبزادی فاطمہ پیدا ہوئیں۔

آخر میں حضرت عمر کو خواہش ہوئی کہ وہ خانوادہ نبوت سے رشتہ قائم کریں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت علی سے خواہش ظاہر کی کہ وہ اپنی صاحبزادی اور نواسی رسول (ﷺ) ام کلثوم ان کے حبالہ عقد میں دے دیں۔ حضرت علی نے پہلے پہل تو ام کلثوم کی صغر سنی کے باعث انکار کیا لیکن جب حضرت عمر کے شوق و جذبہ پر نظر گئی تو یہ رشتہ قبول کر لیا۔ 17ھ میں یہ نکاح ہوا، حق مہر 40 ہزار قرار پایا۔ ام کلثوم سے حضرت عمر کے ایک صاحبزادے زید اور ایک صاحبزادی رقیہ پیدا ہوئیں۔

حضرت عمر کی ام ولد فکیہہ سے ایک صاحبزادے عبد الرحمٰن الاصغر اور ایک بیٹی زینب پیدا ہوئیں۔

حضرت عمر کی ایک دوسری ام ولد لہیہ سے عبد الرحمٰن الاوسط پیدا ہوئے۔

حضرت عمر کی اولاد و احفاد میں اللہ نے بڑی برکت دی۔ ان کے نسل سے مشاہیر علماء، مجاہد، فضلاء پیدا ہوئے جنہوں نے دینِ اسلام کی خدمت میں اپنی زندگیاں گزار دیں۔ گو یہ تعداد بہت بڑی ہے جن کا احصاء ممکن نہیں تاہم ذیل میں چند مشاہیر فاروقی کا ذکر خیر پیش خدمت ہے۔

ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا

حضرت عمر کی تمام اولادوں سب سے افضل ان کی صاحبزادی حفصہ ہیں جنہیں ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ انہیں کے نام پر حضرت عمر کی کنیت ابو حفص ہے۔ حضرت حفصہ کا پہلا نکاح خنیس بن خدافہ سے ہوا جو مہاجرین صحابہ میں سے تھے۔ خنیس جب غزوہ احد میں شہید تو 3ھ میں حضرت حفصہ کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے ہوا۔ حضرت حفصہ سے متعدد احادیث مروی ہیں۔ بعض اکابر صحابہ نے ان سے احادیث روایت کیں ہیں۔ 45ھ میں 63 برس کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عمر کے صاحبزادوں میں سب سے افضل عبد اللہ تھے۔ خود ان کا شمار اکابر صحابہ میں ہوتا ہے۔ ہجرت سے 10 برس قبل ولادت ہوئی۔ مکہ مکرمہ ہی میں اسلام قبول کیا۔ اکثر غزوات میں نبی کریم ﷺ کے ہمرکاب رہے۔ علم و فضل میں ممتاز اور حق گوئی و بیباکی میں انتہائی نڈر تھے۔ بکثرت احادیث روایت کیں۔ زہد و تقویٰ میں بھی ممتاز تھے۔ جب حضرت علی اور حضرت معاویہ کے مابین اختلاف عروج پر تھا تو لوگ آپ کے پاس آئے اور کہا کہ تمام مسلمان آپ کی خلافت پر راضی ہیں، اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ ہم آپ کی خلافت پر بیعت کر لیں۔ حضرت عبد اللہ بن انکار کیا اور کہا کہ میں مسلمانوں کے خون سے خلافت خریدنا نہیں چاہتا۔

عبد اللہ بن عمر نے 73ھ میں مکہ معظمہ میں وفات پائی، مقام " فخ " میں مدفون ہوئے۔ انہوں نے 84 برس کی عمر پائی۔ مکہ میں وفات پانے والے وہ آخری صحابی رسول تھے۔

عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

عبید اللہ بہت بہادر تھے۔ یہ قوی اور مضبوط اعصاب کے مالک تھے۔ حضرت عمر کی شہادت پر انہوں نے ابو لؤلؤ کی بیٹی، قتل کی سازش میں شریک ہرمزان اور ایک ایرانی جفینہ کو اپنی تلوار کی گھاٹ اتارا۔ حضرت عثمان نے خلیفہ بننے کے بعد اس کی دیت اپنے ذاتی مال سے ادا کی۔ 37ھ میں وفات پائی۔

عاصم بن عمر

عاصم بن عمر مردِ صالح اور صاحب خیر تھے۔ اپنے خانوادہ بہت ہر دلعزیز تھے۔ انہوں نے 70ھ میں وفات پائی۔ انہیں عاصم کے نواسے خلیفہ عمر بن عبد العزیز تھے۔

سالم بن عبد اللہ بن عمر

سالم بن عبد اللہ حضرت عمر کے قابل فخر پوتے تھے۔ علم و فضل میں یہ پایہ تھا کہ ان کا شمار مدینہ کے فقہائے سبعہ میں ہوتا تھا۔ جن کے فتوے کے بغیر کوئی قاضی فتویٰ دینے کا مجاز نہ تھا۔ انہوں نے مدینہ میں 106ھ میں وفات پائی اور اموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

حفص بن عاصم بن عمر

حفص بن عاصم بن عمر رواتِ حدیث میں سے تھے۔ اپنے والد، عبد اللہ بن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے تھے۔ خود ان کے تلامذہ میں زہری جیسے اکابر شامل ہیں۔ ابن حبان نے لکھا ہے کہ یہ مدینہ کے فضلاء میں سے تھے۔

حمزہ بن عبد اللہ بن عمر

حمزہ بن عبد اللہ بن عمر یہ بھی رواتِ حدیث میں سے تھے۔ اپنے والد، ام المومنین حفصہ، ام المومنین عائشہ کے شاگرد تھے۔ خود ان سے زہری اور ایک جماعت نے احادیث روایت کیں۔

عبید اللہ بن عمر

عبید اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن خطاب مدینہ کے جید علماء و فقہاء میں سے تھے۔ 147ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔

عبد اللہ بن عبد العزیز

عبد اللہ بن عبد العزیز بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر بن خطاب، مکہ میں مقیم تھا۔ انتہائی زاہد و عبادت گزار تھے۔ 184ھ میں وفات پائی۔

عبد الحمید العمری

ابو عبد الرحمٰن عبد الحمید بن عبد العزیز بن عبد اللہ بن عمر، حضرت عمر کے پڑ پوتے تھے۔ نہایت بہادر و شجیع اور عابد و صالح تھے۔ مصر میں سکونت پذیر ہے۔ ان کے متبعین و مستفدین کی ایک بڑی جماعت تھی۔ 259ھ میں وفات پائی۔

امام فخر الدین رازی

مشہور متکلم مزاج مفسر قرآن امام فخر الدین رازی مشہور ہے کہ صدیقی النسب تھے لیکن امام رازی کے سوانح نگار مولانا عبد السلام ندوی کے بقول امام رازی نے خود تصریح کی ہے کہ وہ نسباً فاروقی ہیں۔[1] امام رازی کی "تفسیر کبیر" اہل علم میں صدیوں سے مروج و مشتہر ہے۔ 544ھ میں ولادت ہوئی۔ امام رازی نے متعدد کتابیں لکھیں۔ انہیں سلاطین و امراء سے بھی قریبی تعلق رہا۔ سلطان شہاب الدین غوری مستقل انہیں اپنے ساتھ رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی امام رازی بڑے حق گو واقع ہوئے تھے اور اس معاملے میں سلاطین کا لحاظ بھی نہیں کرتے تھے۔ ان کے زمانے میں ایک گمراہ فرقہ کرامیہ پیدا ہوا جس کی تردید میں امام صاحب نے بڑی خدمات انجام دیں۔ امام رازی 606ھ میں ہرات میں وفات پائی۔

شیخ رضی الدین حسن الصغانی

شیخ رضی الدین حسن بن محمد الصغانی، حضرت عمر کی براہ راست نسل سے تھے۔ علم حدیث اور لغت کے امام تھے۔ حدیث کی مشہور کتاب " مشارق الانوار " کے مؤلف تھے۔ عالم اسلام میں ان کی کتابوں کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ 650ھ میں وفات پائی۔

بابا فرید الدین گنج شکر

شیخ فرید الدین مسعود بن سلیمان بن

---

[1] امام رازی:1

شعیب ، المعروف بہ گنج شکر ۔ پاک و ہند کے مشاہیر اولیاء میں سے تھے۔ حضرت عمر سے نسبی تعلق رکھتے تھے۔ ان کے دادا شعیب پہلے پہل ہندوستان تشریف لائے اور ملتان کے اطراف میں اقامت گزیں ہوئے۔ یہیں بابا فرید کی ولادت 567ھ میں ہوئی۔ بابا فرید نے مختلف بلادِ اسلامی کی سیر کی اور وہاں کے علماء و مشائخ سے استفادہ کیا۔ جن میں شیخ شہاب الدین سہروردی ، شیخ سیف الدین باخزری ، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی وغیرہم شامل ہیں۔ خود ان سے حضرت نظام الدین اولیاء ، مخدوم علاء الدین صابر کلیری ، مولانا بدر الدین اسحاق دہلوی وغیرہم نے استفادہ کیا۔ 664ھ میں وفات پائی۔

ابن فضل اللہ العمری

مؤرخ اسلام شیخ احمد بن یحیٰ بن فضل اللہ العمری اپنے زمانے میں انہیں تاریخ و رجال اور اقالیم و بلدان کے علم میں درجہ امامت حاصل تھا۔ " مسالک الابصار و ممالک الامصار " ان کی مشہور کتاب ہے۔ ان کا مولد و مسکن و مدفن دمشق ہے۔ 700ھ میں ولادت ہوئی اور 748ھ میں وفات پائی۔

شیخ عبد الحق ردولوی

شیخ عبد الحق احمد بن عمر ردولوی مشاہیر علماء و زہاد میں سے تھے۔ نسباً فاروقی تھے۔ ردولی ، اودھ کا ایک مقام ہے۔ 836ھ میں وفات پائی۔

شیخ حسام الدین مانک پوری

شیخ حسام الدین کا شمار بھی مشاہیر ہند میں ہوتا ہے۔ ہندوستان کے شمال مشرقی خطے میں ان کی تبلیغی مساعی رہیں۔ جون پور سے لے کر بنگال تک ان کے مستفدین پھیلے ہوئے تھے۔ 853ھ میں وفات پائی۔

شیخ سلیم چشتی

شیخ سلیم چشتی کا سلسلہ نسب بابا فرید گنج شکر کے توسط سے حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ہے۔ شیخ سلیم چشتی نے طویل عمر پائی۔ انہوں مختلف بلادِ اسلامی کی سیر و سیاحت کی۔ دو مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔ فرزند و جانشین تھے۔ مختلف علماء و مشائخ سے استفادہ کیا۔ آخر عمر میں فتح پور سیکری میں اقامت اختیار کی۔ سلاطین و امراء بھی ان کے عقیدت مند تھے۔ مغل بادشاہ اکبر اعظم ان کا خاص عقیدت مند تھا۔ 979ھ میں وفات پائی۔

شیخ جلال الدین تھانیسری

کبار مشائخ عظام میں سے تھے۔ نسباً فاروقی تھے۔ شیخ عبد القدوس گنگوہی کے تلمیذ رشید تھے۔ سلف صالحین کے طریقہ کی پیروی کرتے تھے اور جہال صوفیاء سے انہیں سخت نفور تھا۔ 987ھ میں وفات پائی۔

مجدد الف ثانی

شیخ احمد بن عبد الاحد فاروقی سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی 14 شوال 971ھ کو پیدا ہوئے۔ تجدید و احیائے دین میں ان کا خاص مقام ہے۔ عہدِ اکبری کی بدعات کا خاتمہ کرنے میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ سنت کا نشر و شیوع ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ رد رافضیت میں بھی ان کی خدمات قابل قدر ہیں۔ ان کے مکاتیب علم و حکمت کا خزینہ ہیں۔ 1034ھ میں وفات پائی۔ ان کے سلسلہ اولاد و احفاد میں بھی مشاہیر علماء گزرے جنہوں دین کی خدمت میں اپنی زندگیاں وقف کیں۔

عبد الرحمٰن المرشدی العمری

ابو الوجاھۃ عبد الرحمٰن بن عیسیٰ المرشدی العمری مکہ مکرمہ میں 975ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کا شمار حجاز کے عالی مرتبت علماء ، ادباء و شعراء میں ہوتا ہے۔ انہیں حرم مکی میں امامت ، خطابت اور افتاء کے فرائض انجام دینے کا شرف عظیم بھی حاصل ہوا۔ 1037ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

ملا محمود جون پوری

ملا محمود بن محمد فاروقی جون پوری علوم حکمت و ادب میں یگانہ عصر تھے۔ " شمس بازغہ" فلسفہ و حکمت میں ان کی مشہور زمانہ کتاب ہے۔ 1062ھ میں وفات پائی۔

ملا ابو الوعظ ہرگامی

ملا ابو الوعظ بن صدر الدین فاروقی ہرگامی اپنے وقت کے مشاہیر علماء میں سے تھے۔ سلطان ہند اورنگ زیب عالمگیر کے اتالیق تھے۔ " فتاویٰ عالمگیری " کی ترتیب و تالیف میں بھی شریک تھے۔ انہوں نے ہرگام ہی میں وفات پائی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

شیخ الاسلام ، امام الہند ، شاہ ولی اللہ بن عبد الرحیم فاروقی دہلوی 1114ھ کو ولادت ہوئی۔ علم و فضل ، زہد و تقویٰ میں یگانہ تھے۔ ملکہ اجتہاد حاصل تھا۔ ان کی تصانیف کو بڑی مقبولیت ملی۔ قرآن کریم کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ حجۃ اللہ البالغہ ، التفہیمات الالٰہیہ ، قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ، المسوی ، المصفیٰ ، ازالۃ الخفاء ، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ، عقد الجید ، اللمحات وغیرہا ان کی اہم کتابیں ہیں۔ ان کے صاحبزادگان و احفاد میں مشاہیر علم و فضل پیدا ہوئے۔ برصغیر کا کوئی گھرانہ علوم دین میں ان کا ہمسر نہیں۔ 1176ھ میں وفات پائی۔ برصغیر میں علم حدیث کے تقریباً تمام سلاسل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہی سے جا ملتے ہیں۔

عصام الدین العمری

عصام الدین عثمان بن علی بن عمر العمری ، مؤرخ ، ادیب و شاعر تھے۔ 1134ھ میں موصل میں پیدا ہوئے۔ سرکاری عہدوں پر بھی فائز ہوئے اور عتاب شاہی کا بھی شکار ہونا پڑا۔ آخر عمر میں قسطنطنیہ میں اقامت اختیار کی وہیں 1193ھ میں وفات پائی۔

شاہ رکن الدین عشقؔ

شاہ رکن الدین بن محمد کریم فاروقی اپنے عصر کے زہاد و صالحین میں سے تھے۔ 1103ھ میں ولادت ہوئی اور 100 برس عمر پاکر 1203ھ میں عظیم آباد میں وفات پائی۔ اردو و فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے۔ تذکرہ نگاروں نے احسن الفاظ میں ان کا ذکر کیا ہے۔

شاہ رفیع الدین دہلوی

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فرزند ہیں۔ قرآن کریم کا لفظی اردو ترجمہ کیا ۔ متعدد کتابیں تالیف کیں۔ زیادہ عمر نہیں پائی۔ 1233ھ میں وفات پائی۔

شاہ عبد العزیز دہلوی

شاہ عبد العزیز ، شاہ ولی اللہ کے فرزند و جانشین تھے۔ 1159ھ میں ولادت ہوئی۔ کثیر الدرس عالم تھے۔ تصانیف میں تفسیر فتح العزیز ، بستان المحدثین ، عجالہ نافعہ ، تحفہ اثناء عشریہ ، فتاویٰ عزیزی علمی حلقوں میں معروف ہیں۔ 1239ھ میں وفات پائی۔

شاہ عبد القادر دہلوی

یہ بھی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فرزند ہیں۔ قرآن کریم کا با محاورہ اردو ترجمہ کیا جو 18 برس کی مدت میں تکمیل پذیر ہوا۔ اور اسے برصغیر میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ 1242ھ میں وفات پائی۔

شاہ اسماعیل شہید

شاہ محمد اسماعیل شہید ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے حفید سعید تھے۔ ان کے والد کا نام شاہ عبد الغنی تھا۔ 1193ھ میں ولادت ہوئی۔ رد شرک و بدعت میں ان کی مشہور کتاب " تقویۃ الایمان " ہے ، جسے بے مثال شہرت ملی۔ اس کے علاوہ عبقات ، منصب امامت ، ایضاح الحق وغیرہا ان کی علمی یادگار ہیں۔ سید احمد شہید رائے بریلوی کے دست پر بیعت جہاد کیا اور سکھوں اور انگریزوں کے خلاف جہاد میں نمایاں حصہ لیا۔ 1246ھ میں بالاکوٹ میں شہادت پائی۔

شاہ محمد اسحاق دہلوی

شاہ محمد اسحاق بن افضل فاروقی دہلوی ، شاہ عبد العزیز دہلوی کے نواسے تھے۔ اپنے نانا کے بعد ان کی مسند علمی کے وارث ہوئے۔ ہندوستان میں ان کے شاگردوں کا بہت بڑا حلقہ تھا۔ 1258ھ میں ہندوستان سے ترک سکونت کر کے حجاز مقدس چلے گئے۔ وہیں مسند تدریس آراستہ کی۔ 1262ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔

مولانا سخاوت علی جون پوری

مولانا سخاوت علی بن رعایت علی فاروقی جون پوری 1225ھ میں پیدا ہوئے۔ محدث ، فقیہہ و زاہد و عابد تھے۔ شاہ اسماعیل شہید کے شاگرد اور سید احمد شہید کے خلیفہ تھے۔ 1272ھ میں ہندوستان سے ترک سکونت کر کے حجاز مقدس چلے گئے۔ وہیں مکہ مکرمہ میں 1274ھ میں وفات پائی۔

مولانا فضل حق خیر آبادی

مولانا فضل حق بن فضل امام خیر آبادی منطق و معقولات کے امام تھے۔ فاروقی النسب تھے۔ 1212ھ میں پیدا ہوئے۔ فلسفہ و منطق پر ان کی متعدد کتابیں ہیں جو اہل علم میں مروج و مشتہر ہیں۔ شاہ اسماعیل شہید سے علمی مناقشات رہے۔ 1278ھ میں کالا پانی میں وفات پائی۔

علامہ محمد بشیر سہسوانی

علامہ محمد بشیر بن بدر الدین فاروقی سہسوانی اپنے زمانے کے جید علماء و فضلاء میں سے تھے۔ قبر پرستی کی تردید میں " صیانۃ الانسان " لکھی جسے عرب دنیا میں بڑی مقبولیت ملی۔ علامہ رشید رضا مصری نے بھی اس کتاب کو اپنے مقدمہ کے ساتھ شائع کیا۔ مرزا غلام احمد قادیانی سے دہلی میں مناظرہ کیا حتیٰ کہ مرزا قادیانی کو فرار اختیار کرنا پڑی۔ 1326ھ / 1908ء کو دہلی میں وفات پائی۔

مولانا وحید الزماں لکھنوی

مولانا وحید الزماں بن مسیح الزماں لکھنوی، حضرت عبد اللہ بن عمر سے نسبی تعلق رکھتے تھے۔ کان پور میں 1267ھ میں پیدا ہوئے۔ مختلف علماء سے کسب علم کیا۔ مختلف بلادِ اسلامی کی سیر کی۔ کثیر التصانیف تھے۔ پہلے پہل کتب احادیث کے اردو تراجم کیے۔ جنہوں آج بھی مقبولیت حاصل ہے۔ فاروقی النسب ہونے کے باوجود حیدر آباد دکن میں بعض شیعی فکر امراء سے تعلق کے اثر سے آخر عمر میں تفضیلی ہو گئے تھے۔ 1338ھ میں وفات پائی۔

مولانا ابو بکر شیث جون پوری

مولانا ابو بکر شیث بن محمد بن سخاوت علی بن فاروقی جون پوری 1297ھ میں پیدا ہوئے۔ جید و وسیع النظر عالم تھے۔ بلند پایہ مدرس تھے۔ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں اسلامیات کے پروفیسر رہے۔ 1359ھ میں وفات پائی۔

عمر بن عبد العزيز أمير المؤمنين

أم عاصم

سليمان
حفصة
حفص
أبو بكر
عبيد الله
عمر

عاصم

عائشة تزوجها المغيرة بن أسعد
أم سلمة تزوجها أبي أمية
ابن المختار الثقفي
عبد الرحمن أمه أم علقمة
عاصم
المجبر
بلال
أم سلمة تزوجها الحجاج بن يوسف الثقفي
أبو بكر
الحر

محمد
زيد
سالم الفقيه
عبيد الله
حمزة
أمهم أم ولد
صفية بنت أبي عبيد بن سعود الثقفي

إبراهيم
أسماء
أبو بكر
أسيد
محمد
سودة
عبد الله بن عمرو
المطرف
حفصة تزوجت عمرو بن عثمان

واقد
أبو عبيدة
عبد الله
عثمان
عبد الرحمن
عمر
أبو عبيد
أبو بكر

عبد الله بن عمر

عبيد الله الذى قتل الهرمزان وابنة أبي لؤلؤة وجفينة النصراني

فاطمة

عبد الرحمن الأكبر

حفصة زوج رسول الله صلى الله عليه وسلم

عياض

جميلة بنت عاصم بن ثابت الأنصارى وكان اسمها عاصية

أم كلثوم بنت جرول من خزاعة

عبد الرحمن الأوسط أبو المجبر

أم حكيم بنت الحارث

زينب بنت مظعون أخت عثمان بن مظعون

رقية

زيد الأكبر

عاتكة بنت زيد بن نفيل تزوجها عبد الله بن أبي بكر ثم عمر بن الخطاب ثم الزبير بن العوام

عبد الله الأصغر

سعيدة بنت رافع

لهية أم ولد

أم كلثوم بنت علي بن أبي طالب

زينب أصغر ولد عمر

فكيهة أم ولد

عبد الرحمن الأصغر وهو أبو شحمة أقام عليه عمر الحد فى شرب الخمر

أسرة عمر بن الخطاب

ابن نفيل بن عبد العزى بن رياح بن عبد الله بن قرط بن رزاح بن عدي بن كعب بن لؤي بن غالب يجتمع مع النبي صلى الله عليه وسلم في كعب ولقبه الفاروق وأمه حنتمة بنت هشام بن المغيرة بن عبد الله بن عمر بن مخزوم. أسلم في السنة السادسة من النبوة وهو ابن ست وعشرين سنة تولى الخلافة سنة ١٣ھ واستشهد سنة ٢٣ھ وكانت مدة خلافته عشر سنين ونصف المبشر بالجنة رضى الله عنه.

المراجع: الطبقات الكبرى • نسب قريش • جمل من أنساب الأشراف • جمهرة أنساب العرب

(١٤)

شجرة نسب الخلفاء الراشدين و الاحاديث الصحيحة فى مناقبهم رضى الله عنهم
تالیف : عاطف بن عبد الوهاب حماد سے ماخوذ

کی اشاعتِ خاص برائے

قرآن کریم

قرآنیات سے متعلق 50 اہم علمی مضامین کا مجموعہ

نامور اہل قلم جن کی نگارشات سے یہ گلدستہ قرآنی سجایا گیا

علامہ سید رشید رضا مصری، مولانا ابو الکلام آزاد، علامہ سید سلیمان ندوی، حسن البنا شہید، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا سیّد زوّار حسین شاہ، بابائے اردو مولوی عبد الحق، ڈاکٹر محمود احمد غازی، ڈاکٹر فضل الرحمٰن (گنوری)، پروفیسر سعود عالم قاسمی، مولانا ضیاء الدین اصلاحی، ڈاکٹر نثار احمد، پروفیسر طیب شاہین لودھی، پروفیسر عبد المغنی، ڈاکٹر سہیل حسن، ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر اور دیگر